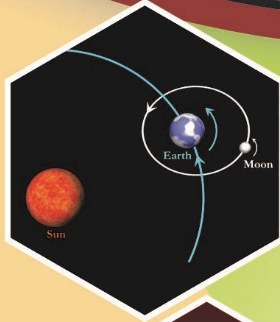
جولائی
JULY-2016

₹15/-

اہل سنت وجماعت کا ترجمان

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی



سورج گہن اور چاند گہن۔ مذہبی اور سائنسی نقطۂ نظر سے

بنو ہاشم پر زکاۃ حرام کیوں؟





شب قدر کا تعین اور اقوال ائمہ

حضرت مولانا جلال الدین رومی اور حضرت شمس تبریزی علیہما الرحمہ



اللہ کا فضل و انعام ہے سعید عید

صدقہ فطر کہاں کی قیمت سے ادا کرے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جلد نمبر ۲ — اہل سنت و جماعت کا ترجمان — شمارہ نمبر ۴

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی

PAIGAM E SHARIAT MONTHLY

جولائی ۲۰۱۶

- سالانہ ممبری فیس -/150 روپے
- بیرون ممالک فیس -/40 امریکی ڈالر

ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی

مکتبہ پبلشر دہلی

گلی سروتے والی مکان نمبر ۴۴۲، دوسری منزل، مٹیا محل جامع مسجد دہلی-۶

آفس کا فون نمبر: 011-23260749,9911062519

PAIGAM E SHARIAT Monthly

House No.442, 2nd Floor,Gali Sarotey Wali,
Matia Mahal Jama Masjid Delhi-6
Mob:.9911062519, 011-23260749
Email: paighameshariat@gmail.com
Indian Bank, A/c. Name Paighameshariat
A/c.No.6409744750, IFSC Code IDIB000J033,Jasola

فہرست مضامین

شمار	مضامین	مقالہ نگار	صفحہ
۱	اسلامی مدارس میں آغاز تعلیم کا موسم بہار	ڈاکٹر ممتاز عالم رضوی	5
۲	شہادت مطلوبہ وغیر مطلوبہ	مولانا کوثر امام قادری	8
۳	فتاوے	مفتی محمد عالمگیر رضوی مصباحی	11
۴	شب قدر کا تعین اور اقوال ائمہ	مولانا محمد علی قاضی	16
۵	اللہ کا فضل اور انعام ہے عید سعید	مولانا محمد ہاشم قادری صدیقی مصباحی	19
۶	سورج گہن اور چاند گہن ۔ مذہبی......	مولانا فیضان المصطفیٰ قادری	22
۷	حضرت مولانا جلال الدین رومی......	پروفیسر محمد عبد الحمید اکبر	27
۸	بنو ہاشم پر زکوٰۃ حرام کیوں؟	مولانا نوید اختر قادری امجدی	33
۹	علوم اسلامیہ اور علوم عصریہ کا امتزاج	مولانا طارق انور مصباحی	36
۱۰	خاندانی نظام حیات: روایت اور جدت	مولانا غلام صمدانی	42
۱۱	امام اہل سنت کا دس نکاتی پروگرام	مولانا قطب الدین رضا مصباحی	46
۱۲	خضر راہ	ادارہ	50
۱۳	خطور وتاثرات	ادارہ	54

﴿نوٹ﴾

مندرجات سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔

کسی قسم کی عدالتی چارہ جوئی صرف دہلی کی کورٹ میں قابل سماعت ہوگی۔

اداریہ

اسلامی مدارس میں آغاز تعلیم کا موسم بہار

ڈاکٹر ممتاز عالم رضوی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں اصحاب صفہ نے تحصیل علم کی جو روایت قائم کی تھی عہد خلفائے راشدین میں وہ باضابطہ حکومت کی سرپرستی میں ترقی سے ہم کنار ہوتی رہی اور اسلامی حدود میں مکاتب کا قیام عمل میں آتا رہا۔ حضرت عمر کے زمانے میں چار ہزار مسجدیں اپنے دامن میں مدرسے کو لیے ہوئی تھیں جس میں تنخواہ دار مدرسین تھے۔ انفرادی طور پر مدرسہ سب سے پہلے حضرت حسن بصری نے قائم کیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے مدرسوں کے قیام پر جو خصوصی توجہ دی تھی۔ اس کی وجہ سے اس زمانے میں ان کے حدود سلطنت کی خواتین تک ذاتی مدرسہ قائم کرنے لگیں۔ سلجوقی فرمانرواں ملک شاہ کا وزیر نظام الملک طوسی بھی اسلامی تاریخ میں قیام مدارس کے لیے مشہور ہے۔ الغرض دینی مدارس میں مسلم معاشرہ کا ایک اہم اور قدیم حصہ ہے، جس کی طویل تاریخ ہے اور یہ خود ایک مفصل عنوان ہے۔ اس وقت ہمیں ان مدارس میں آغاز تعلیم کی خصوصیتوں پر خامہ فرسائی کرنی ہے۔ سردی کی کپکپاہٹ یا گرمی کی جھلساہٹ سے قطع نظر اسلامی مدارس میں معمولاً تعطیل کلاں شعبان المعظم کے دوسرے یا آخری عشرہ میں ہوا کرتی ہے اور یہ اس لیے ہے کہ طلبا بے فکری سے رمضان المبارک میں مصروف عبادت رہیں اور علم کی روشنی لے کر جب مدرسہ سے جائیں تو اہل خانہ و خاندان اور معاشرہ کے ہر فرد کو شرعی و دینی مسائل جاننے کی آسانی میسر آجائے۔

رمضان المبارک کا مہینہ ختم ہونے اور عید سعید کی خوشیاں منانے کے بعد نئے اور پرانے طالب علم اپنے اپنے مادر علمی کی طرف رخت سفر باندھتے ہیں تا کہ نئی جماعت میں نئے علوم، نئی کتب اور نئے مباحث پڑھیں۔ مکاتب میں زیر تعلیم طلبا امنگ کے ساتھ بڑے مدارس میں داخلہ کی تگ ودو کرتے ہیں۔ پرانے مدرسوں کے نظام یا ایک ہی ماحول میں اکتا چکے طلبا اس چمن سے اس چمن کی تبدیلی میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ قدیم طلبا کے پہنچنے اور جدید طلبا کے داخلہ کی کاروائی مکمل ہونے کے بعد اسی مکرم مہینہ میں دینی علوم کے درس وتدریس کا آغاز ہوتا ہے فاتحہ خوانی سے کتاب کی شروعات ہوتی ہے اور کتاب وصاحب کتاب کے حوالے سے اساتذہ قیمتی معلومات فراہم کرتے ہیں جن خوش نصیب مصنفوں کی تصنیف شامل درس ہے وہ قلوب واذہان میں نئی آب وتاب کے ساتھ زندہ ہوجاتے ہیں کہیں قرآن کریم کی تحفیظ وتجوید کا سلسلہ اور پھر نامور قرا اور ان حفاظ کا ذکر جنھیں جہاں سے جس وقت جتنا کہا جائے پڑھ کر سنا دیں۔ کسی درسگاہ میں نحویوں اور صرفیوں کا ذکر کسی درسگاہ میں مناطقہ وفلاسفہ کی ذہانت پر لکچر کسی درسگاہ میں حدیث وقرآن اور فقہ واسناد کے ناموروں کا ذکر جمیل۔ غرضیکہ اس مکرم مہینہ میں مختلف علوم وفنون اور بانیین علوم کا تذکرہ مختصر مدت میں طلبا کے اذہان پر ثبت ہوجاتے ہیں۔

اسلامی مدارس کے تعلیمی سال کا آغاز دنیا کے دیگر تعلیمی اداروں سے بہت جہتوں سے منفرد وممتاز ہے اور اس کی حقیقت ومعنویت کو صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے اس چمن میں خوشہ چینی کی ہے جنہیں یہاں کے ماحول میں آنے جانے یا سال دوسال گذارنے کا وقت نہیں ملا اور بلا سے وہ تہذیب مغرب کا مارا ہو تو شوال المکرّم میں طلبا کا قافلہ انہیں صرف مجبور بیکس اور مفلوک الحال گھرانے کی ٹولی نظر آتی ہے جو بوجہ معاشی مجبوری ان اداروں میں اس خیال سے جاتے ہیں کہ مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے۔ حالانکہ معاملہ ایسا ہرگز نہیں ہے یہ طلبا معاشی مجبوری کی وجہ سے نہیں اللہ تعالیٰ کی رضا اور مسلم معاشرہ میں اسلامی آداب واحکام کے احیا کے لیے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

ان مدارس کی خصوصیات میں یہ بھی ہے کہ یہاں اسکول وکالج کی طرح والدین پر مالی بوجھ کا مسئلہ نہیں ہوتا۔ نئے داخلہ فیس کے نام پر کوئی لوٹ مار کا رواج یہاں نہیں، اگر طلبہ کو کچھ انتظام کرنا پڑتا ہے تو قلم، کاپی، کچھ کتابیں، پلیٹ، بستر، جیب خرچ بس۔ قیمتی درسی کتابوں کا انتظام خود ادارہ کرتا ہے۔ دارالاقامہ (ہاسٹل) ''جس کا تذکرہ امیر لوگ اپنے بچوں کی تعلیم کے سلسلے میں بڑے فخر کے ساتھ کرتے ہیں'' الحمدللہ بغیر کسی فیس یا اضافی چارج کے ان

اداروں میں ہاسٹل اور میس کا انتظام ہوتا ہے گویا کہ مدرسہ بلاتفریق امیر وفقیر تشنگان علوم دینیہ کے لیے تعلیم وتربیت کا ایک عظیم الشان اہتمام ہے۔

یہاں طلبا کی تعلیمی ترقی مالی تنگی کی وجہ سے متاثر نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی درسگاہ میں اساتذہ اس لیے کتمان علم کے مرتکب ہوتے ہیں کہ خواہی نخواہی ٹیوشن کے لیے آئے، اس طرح مزید حصول زر کا انتظام ہو۔ بلکہ اگر کوئی محنتی اور ذہین طالب علم اضافی وقت میں اضافی فن کو پڑھنا چاہے تو یہاں کے اساتذہ بلا معاوضہ پڑھاتے ہیں اور صرف پڑھاتے ہی نہیں بلکہ ایسے طالب علموں کو عزیز بھی رکھتے ہیں۔

عصری اداروں میں ریگنگ کے نام پر طلبہ کے ساتھ جو گھناؤنا برتاؤ کیا جاتا ہے، اور قدیم طلبا نئے طلبا کا جس طرح جینا دوبھر کر دیتے ہیں اس سے نہ صرف انتظامیہ بلکہ حکومتی ایجنسیاں تک گھبرا اٹھتی ہیں۔ ریگنگ کا ماحصل صرف یہی ہوتا ہے کہ پرانے طلبا نئے طلبا کی حیثیت واقعی سے واقف ہو جائیں۔ معلوم نہیں اپنی شخصیت وقدامت کا اثر ڈالنے کے لیے ان اداروں میں یہ وبا کیسے پھیل گئی، جس کے نتیجے میں کتنے جدید طلبا نے تنگ آ کر خودکشی تک کر ڈالی۔ یو جی سی کے سخت قوانین کے نافذ ہونے کے بعد بھی نئے سیشن پر ان اداروں میں آج بھی بداخلاقی کا یہ کھیل جاری ہے۔ ان اداروں کے جانی، مالی وتعلیمی نقصانات کی خبریں اخبارات میں چھپی رہتی ہیں۔

اس کے برخلاف اسلامی مدارس میں ریگنگ کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ یہاں پرانے طلبا نئے طلبا کو ہراساں نہیں کرتے۔ ان کا مذاق نہیں بناتے، ان کے طور طریقے پر کڑی نظر نہیں رکھتے۔ بلکہ ہر طرح سے ان کا تعاون کرتے ہیں۔ نتیجتاً نئے طلبا خود کو گھریلو ماحول میں محسوس کرتے ہیں اور انہیں لگتا ہے کہ ہم اپنے بچھڑے ہوئے بھائیوں سے مل گئے ہیں۔

تعلیم جب سے ذریعہ معاش بن گئی ہے ہر چھوٹے بڑے شہر میں پبلک اسکول وکالج کے نام پر جس طرح تعلیم فروشی کا سلسلہ جاری ہے اس سے یہ بات یقین کی منزل میں آ گئی ہے کہ اب ان اداروں اور یہاں کے طلبا کو اشاعت علم سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ علم جیسی عظیم دولت سے بس اتنی غرض وابستہ ہے کہ سرکاری نوکری اور دنیاوی جاہ ومناصب حاصل ہو جائیں۔ ان اہداف کے حصول کے بعد بدعنوانی رشوت ستانی اور انسانیت کا خون چوسنے میں یہ لوگ ان پڑھ اور عامی سب کو مات دیتے نظر آتے ہیں۔ ان کا مجرمانہ ریکارڈ غیر پڑھے لکھے لوگوں سے کم نہیں۔ آج عصری دانش گاہوں میں غیر تجارتی فنون کسمپرسی کے شکار ہیں جنھیں سب نے ٹھکرا دیا ہے۔ اور پیشہ ورانہ علوم وفنون (Professional Education) کے طلبگاروں کی تعداد اتنی کثیر ہے کہ ہر سال (Cut off Mark) کا نیا ضابطہ ہوتا ہے۔ ہمارے ملک کے وزیر اعظم کی ایک ٹویٹ نگاہوں سے گذری'' کیا وجہ ہے کہ علمی جانشین کی وہ بیداری نظر نہیں آ رہی ہے جو بیداری معاشی جانشین کے لیے دیکھنے کو ملتی ہے؟'' میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر کوئی غیر جانبدار شخص حکومتِ وقت کو مدرسے کے حالات سے آگاہ کر دے تو اپنے ملک کے ان دینی اداروں میں علم کے طلبگاروں کو دیکھ کر انہیں بڑی تسلی ہو سکتی ہے کہ اب بھی علم کے شیدائی دنیا میں موجود ہیں۔

معاشی مستقبل کے بہت ہی محدود امکانات اور انتہائی کم آمدنی والی ملازمت کے مواقع (تدریس امامت اور اصلاح امت بذریعہ وعظ وتعویذ) کے باوجود ہر سال بڑے مدرسوں میں داخلہ لینے والے امیدوار بڑی تعداد میں آتے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا دشوار نہیں کہ اگر کہیں علم وفن کو صرف علم وفن کی وجہ سے پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے تو وہ اسلامی مدارس، دارالعلوم اور جامعات ہیں۔

مدارس میں اساتذہ کی تقرری کا معاملہ بہت صاف وشفاف رہتا ہے۔ ادھر کچھ حکومتی گرانٹ سے چلنے والے اداروں میں اقربا پروری کا عنصر ملتا ہے، اور رشوت کے لین دین کا سلسلہ بھی چل پڑا ہے۔ یہ سلسلہ اگر یوں ہی آگے بڑھتا رہا تو اس کے نتائج برے ہوں گے۔ لہٰذا ذمہ داروں کو چاہئے جتنی جلدی ہو سکے اپنی روش تبدیل کریں تاکہ مدارس کا اصل حسن باقی رہے۔ تاہم عصری اداروں سے ابھی بھی بہت بہتر ہے۔

ان اداروں نے ہر دور میں ایسی عظیم شخصیتوں کی ٹیم تیار کی ہے جو صرف محدود دائرے پر اثر انداز ہونے کی بجائے پوری دنیائے انسانیت پر اثر انداز ہوئی ہیں۔ حضرت رومی وامام رازی، امام غزالی، غوث اعظم شاہ جیلانی، حافظ شیرازی، اور مجدد الف ثانی جیسے نامور انہیں اداروں میں پرورش پائے ہیں، جن کی خدمات کو زمانہ کبھی فراموش نہیں کر سکتا ہے۔

اسلامی حکومت کے زمانے میں ان مدارس کے فارغین کی بڑی اہمیت تھی حکومت کے بہت سے شعبے ان کے بغیر نہیں چل سکتے تھے مگر اسلامی حکومتوں کے پے در پے خاتمے اور صرف نام کے اسلامی ممالک میں جمہوریت اور نئے قوانین کی آمد کے بعد ان کی ضرورت نہیں رہ گئی۔ مگر حکومت کے شعبہ سے بڑھ کر کہیں دین کا شعبہ ہے اور دنیوی کام کاج سے بڑھ کر کہیں دین خدا کا کام ہے جس کا اجر عنداللہ محفوظ ہے۔

آج عصری اداروں میں اساتذہ کا طلبہ سے خوفزدہ ہونا ایک لمحہ فکریہ ہے جس مشرق میں استاذ کو والدین سے بڑھ کر سمجھا جاتا تھا آج اسی معاشرہ میں یہ چیزیں اخباروں کی سرخیاں بنتی ہے کہ طالب علم نے استاذ کو جان سے مار ڈالا، ان پڑھنے والوں کو نہ والدین سے سروکار ہے اور نہ ہی استاذ سے۔ اس جہت سے مدرسے پر ایک نگاہ ڈالیں تو حیرت ہوتی ہے نظم کو برقرار رکھنے کے لیے فوج اور محافظ دستے کا کوئی انتظام نہیں، اس کے باوجود مدراس کے طلبا میں اپنے اساتذہ کے احترام کا وہ گراں قدر جذبہ پایا جاتا ہے کہ اپنے استاذ پر ہاتھ اٹھانا تو دور کی بات ہے طلبا نگاہ اٹھانے کی بھی ہمت نہیں کرتے۔ یقین مانئے ان بوریہ نشینوں اور بوسیدہ عمارتوں کے مکین کے دامن میں آج بھی اخلاق، قدر شناسی، فرض منصبی اور محبت و مروت کے وہ گل ولالہ پرورش پاتے ہیں جن کی خیرات لے کر رنگیں عمارتوں کے طلبا و اساتذہ بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔

سنسکرت ہندوستان کی قدیم اور ہندوؤں کی مذہبی زبان ہے۔ اور ساتھ ہی حکومت ہند کی پوری توجہ ہر دور میں سنسکرت کی بقا پر رہی ہے مگر اس کے باوجود سنسکرت لکھنے بولنے والوں کا جس قدر فقدان ہندوستان میں ہے یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ لیکن مدارس اسلامیہ کی وجہ سے عربی زبان جو ہندوستانی زبان نہیں اس کے باوجود پوری توانائی کے ساتھ زندہ ہے، آج انھیں مدارس کی برکت ہے کہ ہر علاقہ میں عربی زبان کے جاننے والے مل جاتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ صاحب علم انسان اپنی زبان کی وجہ سے پہنچانا جاتا ہے۔ اس کا طرز تکلم ہی اوروں سے جدا ہوتا ہے۔ آج آپ دیکھ لیجئے بڑی بڑی ڈگری رکھنے والے حضرات تلفظ اور الفاظ کی ادائیگی میں مدرسے کے چھوٹے چھوٹے طلبا کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہ سب ہمارے اسلاف کی کوششوں کا نتیجہ ہے جنھوں نے فقید المثال صلاحیتوں سے اپنا دنیاوی محل تعمیر نہ کر کے دینی تعلیم کے عظیم قلعے آنے والی نسلوں کے لیے تعمیر کیے، اور تعلیم کو صرف تعلیم اور تہذیبِ نفس کے لیے حاصل کرنے کی زریں روایت ڈالی۔

مدرسے کے شاہین زادوں سے گزارش کرتا چلوں کہ آپ عصری اداروں کے طلبہ کی تعلیم اور ڈگری سے ہرگز خوفزدہ نہ ہوں۔ ان کے کاغذات و اسناد آفس کے آگے نہیں بڑھ سکتے، مگر آپ وہ علوم حاصل کرتے ہیں جو عرش الٰہی تک پہنچنے کی قوت رکھتے ہیں۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی۔

سنی مدراس کے لیے ماہ شوال اس لیے بھی یادگار ہے کہ اسی ماہ میں چودھویں صدی کے مشہور مجدد اسلام امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ پیدا ہوئے۔ ان کی تاریخ ولادت ۱۰ ارشوال المکرّم ہے۔ اعلیٰ حضرت دنیائے علوم کی وہ نمائندہ شخصیت ہیں کہ دنیا کی بڑی دانش گاہوں کے اسکالرس اور ماہرین ان سے اکتساب فیض کرتے تھے۔ اور جو مسائل ہندوستان میں لاینحل سمجھ کر جرمن سے حل طلب ہوتے تھے فاضل بریلوی ریاضی کے ان مسئلوں کو چٹکیوں میں حل کر دیتے تھے۔ انہوں نے خود بھی اشاعت علم کے لیے ۱۹۰۴ء میں ایک عظیم ادارہ جامعہ رضویہ منظر اسلام اپنے شاگرد رشید مولانا ظفر الدین بہاری کے ایما پر قائم کیا۔ اس کی برکتوں سے ہندوستان میں بڑے بڑے ادارے وجود میں آئے۔

فاضل بریلوی کی شخصیت نے علم کی توقیر قائم کرنے میں بڑا اہم رول ادا کیا ہے، انہوں نے کبھی علم کو پیشہ نہیں بنایا۔ حکومتی یا غیر حکومتی کسی ادارے میں بحیثیت ملازم نہیں رہے۔ بلکہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت، سرکار مدینہ کے کرم اور بزرگان دین کے فیوض و برکات کے امیدوار رہے۔ اور دنیا نے دعوت دی تو یہ کہہ کر دامن جھاڑ لیا۔

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں

درس حدیث

احادیث کریمہ۔ مشکلات اورحل

چوتھی قسط

از: مولانا کوثر امام قادری

شہادت مطلوبہ وغیر مطلوبہ

فیصلۂ مقدمات کا انحصار عموماً گواہوں کی گواہی اور شاہدین کی شہادت پر ہوتا ہے، بسا اوقات شہادت نہ ملنے یا گواہوں کے ٹوٹ جانے کے سبب فیصلہ ظالم کی حمایت میں چلا جاتا ہے اور انصاف پسند قاضی نہ چاہتے ہوئے بھی وہی کر گذرتا ہے جو تقاضائے عدالت کے منافی ہوتا ہے۔اس لیے باب مقدمات میں شہادت بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

یہاں اس کے متعلق بھی دو متعارض حدیثیں پیش کی جارہی ہیں۔

عن زيد بن خالد الجهني رضى الله عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم قال الا أخبركم بخير الشهداء الذي ياتي بشهادته قبل ان يسئلها (مسلم باب بیان خیر الشھود) ترجمہ:۔حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو بہترین گواہ انہ بتلاؤں اور وہ بہترین گواہ یہ ہے جو سوال کرنے سے پہلے گواہی دیدے۔

یعنی ابھی شہادت طلب نہ کی گئی لیکن گواہ نے بغیر سوال کیے از خود شہادت کا فریضہ ادا کردیا ایسا کرنے والا بہترین گواہ ہے اور اس کا یہ عمل پسندیدہ عمل ہے۔

جب کہ اس کے خلاف حسب ذیل حدیث ہے:

عن عمران بن حصين رضى الله عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول خير الناس قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم ثلاثاً ثم يجيء قوم من بعدهم يتسمنون ويحبون السمن ويعطون الشهادة قبل أن يسئلوها (جامع ترمذی ص۳۳۴)

ترجمہ:۔حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے زمانے کے قریب ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جو ان کے قریب ہیں (تین بار فرمایا)۔ پھر ان کے بعد ایک بسیار خور قوم آئے گی جو بسیار خوری کو پسند کرے گی یہ لوگ طلب اور سوال سے پہلے شہادت دیں گے۔

اس حدیث میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو بغیر کہے، بے سوال کیے شہادت دیں گے۔

دونوں حدیثوں میں تعارض نظر آرہا ہے۔ اس لیے دفع تعارض کی غرض سے تاویل کی راہ اپنائی گئی ہے اور امام نووی نے دونوں حدیثوں میں سات تاویلیں ذکر کی گئی ہیں۔

اشکال کاحل

زید بن خالد کی روایت کی تین تاویلیں حسب ذیل ہیں۔

اول۔امام مالک اور اصحاب شافعی نے یہ تاویل کی ہے کہ کسی شخص کے پاس کسی انسان کے حق کے بارے میں شہادت ہو اور وہ انسان اپنے بارے میں اس شہادت کو نہ جانتا ہو تو وہ شخص اس انسان کو جا کر یہ خبر دے کہ وہ اس کے حق کا شاہد ہے یعنی اس کے حق کی شہادت کا متحمل ہے۔

دوم۔یہ شہادت حسبہ ہے اور یہ آدمیوں کے خاص حقوق میں نہیں ہوتی بلکہ حقوق اللہ میں ہوتی ہے مثلاً طلاق، عتق، وقف، وصایا عامہ اور حدود وغیرہ میں۔پس جس شخص نے ان کے معاملات میں شہادت کا تحمل کیا ہو اس پر واجب ہے کہ وہ قاضی کے پاس جا کر وہ شہادت پیش کرے اور قاضی کو خبر دے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اقیموا لشهادة لله اللہ کے لیے شہادت دو۔

اسی طرح پہلی قسم میں بھی جس کسی شخص کے پاس کسی انسان

کے حق شہادت ہو اور اس انسان کو اس کا پتہ نہ ہو تو اس پر اس شہادت کا ادا کرنا واجب ہے، کیونکہ اس شخص کے پاس یہ شہادت اس انسان کی امانت ہے۔

سوم۔ اس حدیث کا مطلب ابتداءً شہادت دینا نہیں ہے۔ بلکہ طلب اور سوال کے بعد شہادت دینا مراد ہے۔ لیکن چونکہ وہ شخص سوال کے بعد فوراً بغیر کسی ہچکچاہٹ کے گواہی دیتا ہے اس لیے اس کو مجازاً اور مبالغۃً بغیر سوال کے شہادت دینے سے تعبیر فرمایا، جیسا کہ کہتے ہیں، سخی سوال کرنے سے پہلے دیتے ہیں۔ یعنی سوال کے بعد بغیر توقف کے فوراً دے دیتے ہیں۔

(شہادت حسبہ کی تعریف یہ ہے کہ انسان جس شہادت کا متحمل ہو یعنی اس کے پاس جو شہادت ہو وہ اس شہادت کو کسی طالب کے طلب کے بغیر محض اجر و ثواب کی نیت سے ابتداء بیان کرے)

حضرت عمران بن حصین کی روایت میں بغیر سوال کے گواہی دینے کی مذمت ہے اس کی حسب ذیل چار تاویلیں ہیں۔

اول۔ ایک آدمی کے پاس کسی شخص کے حق میں شہادت ہو اور وہ اس کے طلب کرنے سے پہلے شہادت دے۔

دوم۔ ایک شخص بغیر طلب کے جھوٹی اور بے اصل گواہی دے۔

سوم۔ جو شخص شہادت کا اہل نہ ہو وہ گواہی دے۔

چہارم۔ کوئی شخص کسی کے جنتی یا دوزخی ہونے کی قطعی گواہی دے (شرح مسلم نووی، جلد۲، ص ۷۷)

مذکورہ تاویلات کے علاوہ بھی تاویلیں ذکر کی گئی ہیں۔ اور امام عینی نے بھی بعض تاویلات کو بیان کیا ہے۔ لیکن بنظر اختصار اتنے ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

خلفا اور خلافت

خلفا اور خلافت سے متعلق متعارض حدیثیں پیش کرنے سے پہلے قارئین کی ضیافت طبع کے لیے چند چیزیں پیش خدمت کی جارہی ہیں جو انشاءاللہ فائدہ سے خالی نہ ہوں گی۔

حکومت و سلطنت کے باب میں عام طور سے کچھ الفاظ پڑھنے اور سننے کو ملتے ہیں جن کی اصطلاحی تعریف جاننا چاہیے۔

خلیفہ۔ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین ہو کر تمام دنیا کے مسلمانوں کے دینی اور دنیاوی امور کا انتظام کرے اور تمام دنیا کے مسلمانوں پر اس کی اتباع لازم ہو، اس شخص کو اصطلاح میں خلیفہ کہتے ہیں۔

مَلِک۔ وہ شخص ہے جو کسی ملک کا والی ہو اور وہاں کے انتظام کا مالک ہو (المفردات امام راغب ۴۷۲)

سلطان۔ سلطان والی کو کہتے ہیں یعنی جس شخص میں بادشاہ کی طرح قدرت ہو۔

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوے علامہ عبدالحی کتانی نے فرمایا۔

اصطلاح میں سلطان صرف اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی ولایت میں کئی ملک ہوں پس سلطان وہ ہوگا مَلِکُ الملوک ہو (یعنی کئی بادشاہوں کا بادشاہ ہو) مثلاً اس کی ملکیت میں مصر اور شام ہو، یا اس کی ملکیت میں افریقہ اور اندلس ہو اور اس کا لشکر تقریباً دس ہزار سواروں پر مشتمل ہو، اگر اس کی ملکیت میں اس سے زیادہ شہر ہوں یا اس کے پاس اس سے بڑا لشکر ہو تو اس کی سلطنت زیادہ عظیم ہوگی اور اس پر سلطان اعظم کا اطلاق کرنا درست ہوگا اور اگر مصر، شام، جزیرہ خراسان، عراق، عجم، فارس، افریقہ، وسطی مغرب، کے خطوں میں اس کا نام پڑھا جائے تو اس کو سلطان السلاطین کہا جاے گا جیسا کہ سلجوقی حکمران تھے (التراتیب الاداریۃ، جلد اول، ص ۱۴)

امام احمد رضا محدث بریلوی فرماتے ہیں

خلیفہ۔ حکمرانی و جہانبانی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب مطلق تمام امت پر ولایت عامہ والا ہے۔ اور سلطان وہ بادشاہ ہے جس کا تسلط قہری ملکوں پر ہو۔ چھوٹے چھوٹے والیان ملک اس کے زیر حکم ہوں۔

خلیفہ ایک وقت میں تمام جہان میں ایک ہی ہوسکتا ہے اور سلاطین دس ملکوں میں دس، کوئی سلطان اپنے انعقاد سلطنت میں دوسرے سلطان کے اذن کا محتاج نہیں ہے مگر ہر سلطان اذن خلیفہ کا محتاج ہے کہ بے اس کے اس کی حکومت شرعی و مرضی شرع نہیں ہو

سکتا، خلیفہ بلا وجہ شرعی بڑے سے بڑے سلطان کے معزول کیے معزول نہیں ہوسکتا۔ بخلاف سلطان کے کہ خلیفہ کا صرف زبان سے کہہ دینا میں نے تجھے معزول کیا اس کے عزل کو بس ہے (ملخصاً دوام العیش، ص ۵۶ تا ۶۰)

مذکورہ وضاحت کے بعد اب خلافت کے سلسلے میں دو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں جو بظاہر متعارض معلوم ہوتی ہیں۔

عن جابر بن سمرة رضي الله عنه قال انطلقت الى رسول الله صلى الله عليه وسلم ومعي أبي فسمعته يقول لا يزال هذاالدين عزيزا منيعا الى اثنى عشر خليفة فقال كلمة صمنيها الناس فقلت لابى ماقال؟ قال: كلهم من قريش(مسل ،باب الناس تبع قريش)

ترجمہ۔حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گیا میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: بارہ خلیفہ پورے ہونے تک یہ دین غالب رہے گا، پھر آپ نے کوئی کلمہ فرمایا جسے لوگوں نے مجھے سننے نہیں دیا میں نے اپنے والد سے پوچھا حضور نے کیا فرمایا انھوں نے کہا، حضور نے فرمایا: وہ سب قریش سے ہوں گے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خلافت اس وقت تک رہے گی جب تک بارہ خلفا نہ ہوجائیں اور اسلام اس وقت تک غالب رہے گا جب تک بارہ خلفا یکے بعد دیگر ہوتے رہیں گے یعنی خلافت تیس سال سے بھی زیادہ مدت تک قائم رہے گی جب کہ اس کے خلاف حسب ذیل حدیث ہے۔

عن سفينة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم يوتى الله الملک من يشاء قال سعيد قال لى سفينة امسک عليک ابابكر سنتين وعمر عشرا وعثمان اثنى عشر وعلي كذا۔

ترجمہ۔حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خلافت نبوت تیس سال رہے گی پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا ملک عطا کردے گا حضرت سفینہ نے کہا حضرت ابوبکر کے دو سال شمار کرو اور حضرت عمر کے دس سال حضرت عثمان کے بارہ سال اور حضرت علی کے اتنے سال اور حضرت علی کے اتنے سال (یعنی ۴ سال نو ماہ اور چھ ماہ حضرت حسن کی خلافت رہی)

حل اشکال

ان دونوں حدیثوں میں در اصل کوئی تعارض ہی نہیں ہے کیونکہ پہلی حدیث میں مطلق خلافت کا ذکر ہے جبکہ دوسری حدیث میں خلافت نبوت کا تذکرہ ہے۔یعنی تیس سال والی حدیث میں خلافت نبوت کی تخصیص ہے اور بارہ خلفا والی حدیث عام ہے خواہ خلافت علی منہاج النبوۃ ہو یا ایسی خلافت تو نہ ہو لیکن اس خلافت میں اسلام کو غلبہ حاصل ہو۔

☆ دارالعلوم قدوسیہ فخر العلوم پرسونی بازار، مہراج گنج، یوپی

شرعی مسائل

مفتی محمد عالمگیر رضوی مصباحی جودھپور

ادھار خریدنے والوں سے زائد قیمت لینا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید سے ایک سال کے ادھار پر اپنی چاندی جو بھی اسکے پاس ہے ہر ایک تولے کی قیمت مثلاً دوسو روپیہ بر وقت بنتی ہے اور زید بکر سے فی تولہ تین سو روپیہ لے رہا ہے اور اس پر بکر راضی ہے تو کیا یہ صورت درست ہے ؟

السائل: مولانا رجب علی قادری باسنوی

الجواب۔ **الھم ھو الملھم بالحق والصواب بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم** ۔صورت مسئولہ میں زید جو چاندی نقد خرید نے والوں کو مثلا فی تولہ دوسو چوبیس روپئے میں دیتا ہے وہی چاندی فی تولہ ادھار خریدنے والوں کو دوسو چوبیس روپئے کے بجائے تین سو روپئے میں یا اس سے زیادہ میں دینا جائز ودرست ہے جیسا کہ مجدد اعظم امام اہل سنت حضور اعلی حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں قرضوں بیچنے میں نقد بیچنے سے دام زائد لینا کوئی مضائقہ نہیں رکھتا یہ باہم تراضی بائع ومشتری پر ہے۔**قال اللّٰہ تعالی الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم؛ فتاوی رضویہ ج ۷ ص ۴۷۲ واللّٰہ تعالی اعلم.**

شوہر کا بیوی کے جنازے کو کاندھا دینا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید اپنی بیوی کے جنازہ کو کاندھا دے سکتا ہے یانہیں؟ جبکہ عوام میں مشہور ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو کندھا نہیں دے سکتا ہے۔السائل: محمد فضیل مہندوپار ضلع سنت کبیر نگر یوپی

الجواب ۔عورت کے بدن کو بلا حائل ہاتھ لگانا منع ہے کہ مرنے کے بعد وہ تعلق منقطع ہوگیا اب وہ اجنبیہ کی طرح ہے بلا حائل چھونہیں سکتا مگر دیکھنے کی اجازت ہے جیسا کہ فقیہ اعظم ہند حضور صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی قادری برکاتی رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ عورت کے بدن کو بلا حائل ہاتھ لگانا منع ہے کہ مرنے کے بعد وہ تعلق قطع ہوگیا کہ اب وہ مثل اجنبیہ ہے بلا حائل چھونہیں سکتا مگر دیکھنے کی اجازت ہے اور یہ جو عام لوگوں میں مشہور ہے کہ جنازہ کو شوہر کندھا نہیں دے سکتا محض غلط ہے کہ یہ تو مطلقا ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے۔شرع نے اس پر کسی قسم کی تخصیص نہ کی پھر غیروں کو تو اجازت اور شوہر کو روکا جائے عجب ہے کہ اگر تعلق منقطع ہونا سبب ہوتو اوروں سے بھی تعلق نہیں آخر وجہ فرق کیا ہے کہ اوروں کو اجازت اور شوہر کو ممانعت درمختار میں ہے؛**ویمنع زوجھا من غسلھا ومسّھالا من النظر الیھا علی الاصح**؛اصح یہی ہے کہ شوہر کو اپنی بیوی کو چھونے اور غسل دینے سے روکا جائیگا مگر اسکو دیکھنے سے روکا نہیں جائے گا (فتاوی امجدیہ ج اص ۳۱۰) واللہ تعالی اعلم

مسافر پر نماز با جماعت واجب ہے یانہیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسافر پر جماعت واجب ہے یانہیں اور اگر واجب ہے تو ترک جماعت پر فسق کا حکم ہوگا یانہیں؟

السائل۔محمد رمضان علی سکندری سم جیسلمیر

الجواب۔**اللّٰھم ھدایۃالحق** ۔مسافر پر جماعت کے وجوب اور عدم وجوب کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کوئی وجوب جماعت اور کوئی عدم وجوب جماعت کا قول کرتا ہے مگر امام اہل سنت مجدد اعظم سیدنا حضور اعلی حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان ان دونوں اقوال کے درمیان اس طور پر تطبیق فرمائی کہ اگر مسافر حالت قرار میں ہے تو جماعت واجب ہے

اور اگر حالت فرار میں ہے تو جماعت واجب نہیں البتہ حالت قرار میں ہوتے ہوئے بھی اگر مسافر ترک جماعت کرے تو اس پر حکم فسق بہ نسبت مقیم کے ہلکا ہوگا جیسا کہ امام اہل سنت جدالممتار میں فیصلہ سناتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: **ان الجماعة لا تتاكد فی حق المسافر لوجود المشقة وان حمل هذا علی الضرار وذالک علی القرار حصل التوفیق** ۔ حرج ومشقت ودشواری کے پائے جانے کی بنا پر جماعت مسافر کے حق میں مؤکد نہیں رہ جاتی اور اگر فرار پر محمول کیا جائے اور اسکو قرار پر محمول کیا جائے تو دونوں قولوں میں توفیق وتطبیق ہو جائیگی یعنی حالت فرار میں مسافر پر جماعت واجب نہیں اور حالت قرار میں مسافر پر جماعت واجب ہے توفیق وتطبیق کی ان دونوں اقوال میں یہی صورت ہے (جدالممتار ج ا ص ۲٦۵) واللہ تعالی اعلم

۳۱ روزے رکھنے کا مسئلہ

زید سعودی عرب رہتا ہے وہاں ایک دن پہلے چاند نکلا اور زید نے روزہ رکھنا شروع کر دیا ۲۸ رمضان المبارک کو زید اپنے وطن ہندوستان آیا یہاں اسکو معلوم ہوا کہ یہاں کے لوگوں کا ابھی ستائیسواں روزہ ہے ہندوستان کے لوگوں نے ۲۹ رمضان المبارک کو عید کا چاند دیکھا نظر نہ آیا تو یہ زید نے کہا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر عید کرو اور اگر ابر ہو تو تیس کی گنتی پوری کرو۔ زید نے کہا میں نے چاند دیکھ کر روزہ رکھا اور تیس کی گنتی پوری کر لی اب میرے لئے ۳۱ واں روزہ نہیں ہے کیا زید پر تمام مسلمانوں کی طرح روزہ رکھنا ضروری ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرما کر عنداللہ وعندالناس ماجور ومشکور ہوں؟

المستفتی محمد رمضان رضوی پیپاڑ سٹی ضلع جودھپور

الجواب ۔ زید پر تمام مسلمانوں کی طرح روزہ رکھنا شرعا واجب ولازم ہے کہ یہاں شہود یعنی ماہ رمضان کا پایا جانا ثابت ومتحقق ہے اور جو ماہ رمضان کو پائے اسے روزہ رکھنے کا حکم ہے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: **فمن شهد منكم الشهر فليصمه** ۔ تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اسکے روزے رکھے (پ۲ سورۂ بقرہ آیت ۱۸۵)

اس کی نظیر یہ ہے کہ کسی نے رمضان یا عید کا چاند دیکھا مگر اس کی گواہی کسی وجہ شرعی سے رد کر دی گئی مثلا فاسق ہے یا عید کا چاند اس نے تنہا دیکھا تو اسے لازم ہے کہ روزہ رکھے اگر چہ عید کا چاند اس نے تنہا دیکھ چکا ہے یا بادشاہ اسلام نے خود عید کا چاند دیکھا مگر تنہا اسی نے دیکھا تو اسے بھی جائز نہیں کہ دوسرے روز افطار کرے بلکہ تمام مسلمانوں کے ساتھ اس پر روزہ رکھنا واجب ہے جیسا کہ فقہ حنفی کی متداول کتاب فتاوی ہندیہ باب الصوم میں ہے: **رجل رای هلال الفطر وشهد لم تقبل شهادته؛ كان عليه ان يصوم** ۔ کسی نے عید کا چاند دیکھا اور گواہی دی مگر اس کی گواہی (کسی وجہ شرعی کی بنا پر) قبول نہیں کی گئی رد کر دی گئی تو اس پر روزہ رکھنا واجب ولازم ہے اور اسی کے تحت چند سطر بعد ہے **ولو رای الا نام وحده اس القاضی وحده لا يخرج الی المصلی ولا يامر الناس بالخروج ولا يفطر لا سرّا ولا جهرا كذا فی السراج الوهاج** ؛ اور امام وقت (بادشاہ) نے تنہا شوال کا چاند دیکھا عید گاہ کی طرف نہ خود جائیگا اور نہ لوگوں کو عید گاہ کی طرف نکلنے کا حکم دیگا اور ایسے افطار کرنے کی نہ سرا اجازت ہے اور نہ جہرا اجازت ہے ایسا ہی سراج وہاج میں ہے۔ (ج ا ص ۱۹۸)

تیسری تکبیر پر سلام پھیر دیا تو نماز جنازہ ہوئی یا نہیں؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ امام نے تیسری تکبیر کے بعد سلام پھیر دیا تو نماز جنازہ ہوئی یا نہیں۔

المستفتی مولانا محمد آدم خان قادری باڑمیری راجستھان

الجواب ۔ صورت مستفسرہ میں اگر امام مذکور نے تیسری تکبیر کے بعد بھول کر سلام پھیر دیا تو نماز جنازہ ہو گئی اور اگر قصدا پھیرا یہ جان کر کہ نماز جنازہ میں تین ہی تکبیریں ہوتی ہیں تو نماز جنازہ نہیں ہوئی جیسا کہ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں امام اہل سنت علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ دوسری صورت میں نماز ہو جانا بھی اس صورت میں ہے کہ اس نے بھول کر سلام پھیرا ہو تو اور اگر قصدا پھیر

ایہ جان کر کہ نماز جنازہ میں تین ہی تکبیریں ہیں تو یہ نماز بھی نہیں ہوگی۔(فتاوی رضویہ شریف ج ۴ص ۸۳)واللہ تعالی اعلم

مزارات سے دھاگہ لاکر پہننا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زائرین مزارات سے دھاگہ لاکر پہنتے ہیں بالخصوص اجمیر شریف کا دھاگہ کیا اس طرح کسی مزار شریف کا دھاگہ باندھنا جائز ہے؟

المستفتی مولانا محمد اظہر مصباحی مہندوپار سنت کبیر نگر

الجواب۔ اجمیر شریف یا کسی بھی جگہ کا دھاگہ ہاتھ میں باندھنا جائز نہیں کہ اس میں مشرکین سے مشابہت ہے وہ بھی اپنے تیرتھ استھانوں سے اس قسم کے دھاگے لاکر باندھتے ہیں نیز ان کا ایک تہوار رکشابندھن ہے جس میں اس قسم کے دھاگہ باندھے جاتے ہیں اور تشبہ بالغیر ناجائز وگناہ ہے جیسا کہ سیدی الکریم حضور شارح بخاری علامہ مفتی شریف الحق امجدی قدس سرہ السامی اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو یہ جائز نہیں کہ دھاگہ ہاتھ میں باندھیں اس میں مشرکین کے ساتھ تشبہ ہے اور حدیث میں ؛من تشبّہ بقوم فھو منھم ؛ جوکسی قوم سے مشابہت اختیار کرے تو وہ اسی میں سے ہے۔(ماہنامہ اشرفیہ شمارہ اپریل ۱۹۹۸)واللہ تعالی اعلم

ذبح کرتے وقت اللہ کے نام کے ساتھ حضور کا نام تبرکا لینا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ذبح کرنے والا ذبح کرتے وقت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اوراللہ پاک کے ذکر کے ساتھ محمد رسول اللہ کا ذکر تعظیم وتبرک تھا ذابح کی نیت اس میں اشتراک کی نہیں تھی بہ نیت تو کیا ذبیحہ حلال ہوا یا نہیں؟

المستفی عبدالواحد متعلم درجہء سادسہ دارالعلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا سنت کبیر نگر

الجواب۔ذبح کرنے والا ذبح کرتے لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا اوراللہ پاک کے ذکر کرکے ساتھ محمد رسول اللہ کا ذکر بہ نیت تعظیم وتبرک تھا ذابح کی نیت اس سے اشتراک کی نیت نہیں تھی تو ذبیحہ حلال ہوا حرام نہ ہوا مگر یہ کہنا مکروہ ہے۔جیسا کہ امام اہل سنت مجدد اعظم سیدنا حضور اعلی حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان منیہ ذخیرہ شرح وہبانہ ودرمختار وغیرہا کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ؛انالا نسی الظن بالمسلم انه یتقرب الی الآدمی بهذاالنحر . ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح سے آدمی کی طرف تقرب چاہتا ہوردالمختار میں ہے؛ای علی وجه العبادةلانه المكفر وهذا العبد من حال المسلم ؛یعنی اس تقرب سے تقرب بروجہ عبادت مراد ہے کہ اسی میں کفر ہے اوراس کا خیال مسلمان کے حال سے دور ہے بلکہ علماء تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر خود ذابح خاص وقت ذبح تکبیر میں یوں کہے بسم اللہ بنام خدائے بنام محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ کہنا مکروہ تو بیشک ہے مگر کفر کیسا جانور حرام بھی نہ ہوگا جبکہ اس لفظ سے اس کی نسبت حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم محض ہو نہ معاذ اللہ حضور کو رب عزوجل کے ساتھ شریک ٹھرانا امام اجل فقیہ النفس قاضی خان اپنے فتاوی میں تحریر فرماتے ہیں ؛رجل ضحیٰ وذبح وقال بسم اللہ بنام خدائے بنام محمد صلی اللہ علیہ وسلم قال الشيخ الامام ابوبكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالى ان ارادالرجل يذكر اسم النبي صلى الله عليه وسلم تبجيله وتعظيمه جاز ولا باس وان ارادبه الشركقمع الله تعالى لاتحل الذبيحة؛ کسی نے قربانی کی اور خاص وقت ذبح تکبیر میں یوں کہے بسم اللہ بنام خدائے بنام محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس پر حضرت امام ابوبکر محمد فضل علیہ الرحمہ نے فرمایا اگر اس لفظ سے آدمی کی نسبت حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلمکی تعظیم محض ہو تو ذبیحہ جائز وحلال ہے اوراگر اس لفظ سے اللہ وحدہ لاشریک کے ساتھ شریک ٹھرانا مراد ومقصود ہو تو ذبیحہ حلال نہیں مردار ہے(فتاوی رضویہ شریف ج ۸ ص ۳۴۴ ۳۴۵) والله تعالى اعلم

قرآن پاک کی جلد پر دعوت نامہ چھپوانا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید نے اگر دعوت نامہ کے طور پر قرآن پاک

چھپوایا یا اور جلد کے اوپر اور اسی طرح جلد کے اندر دعوت نامہ ہو تو اس طرح قرآن پاک چھپوانا اور عام کرنا کیسا ہے۔قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

السائل محمد افضل اشفاقی

الجواب۔اللھم ھو الملھم بالحق والصواب قرآن پاک کی جلد کے اوپر اور اسکی جلد کے نیچے دعوت نامہ چھپوانے میں شرعا کوئی حرج نہیں کیونکہ اس فعل وعمل طباعت میں نہ کوئی استخفاف شان قرآن ہے اور نہ ہی توہین قرآن مجید کا کوئی شائبہ تو جس طرح قرآن پاک کی جلد کے اوپر اور اسکی جلد کے نیچے ناشر کا نام مطبع کا نام لکھا جاتا ہے یونہی یہ بھی جملہ لکھا جاتا ہے امور مذکورہ کا لکھنا اور مہر لگانا جائز ہے یونہی عمل مذکور بھی جائز ہے البتہ اس عمل سے احتراز افضل واولی وانسب ہے حدیث صحیح میں ہے؛انما الاعمال بالنیات وانما لکل امری مانوی ؛(بخاری شریف ج اول ص۲)جامع ترمذی،سنن ابن ماجہ،اور مستدرک حاکم میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں؛الحلال مااحل اللّٰہ فی کتابہ والحرام ماحرم اللّٰہ فی کتابہ وماسکت عنہ فھو مماعفاعنہ ؛امام المحدثین حضرت علامہ ملاعلی قاری علیہ الرحمہ اس حدیث کے تحت ارشاد فرماتے ہیں؛فیہ ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ ؛یعنی اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے(بحوالہ فتاوی فیض الرسول ج ۲ ص ۴۸۴)اور جیسا کہ مجمع الانھر میں ہے؛اذا انکر آیۃمن القرآن او استخف بالقرآن او عاب شیئا من القرآن او خطئی اوسخّر بایۃ منہ کفر (ج ا ص ۶۹ باب المرتد)ھذا اماعندی والعلم بالحق عند ربی عزّوجّل علمہ اتم واحکم وھو تعالی اعلم.

خاتون کا پہلے شوہر سے طلاق لیے بغیر دوسرا نکاح کرنا؟

شادی شدہ عورت جس کو مرد نے طلاق نہیں دی۔اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتی ہے پھر باپ اور اسکے رشتہ داروں نے ملکر منکوحہ عورت کا نکاح دوسرے مرد کے ساتھ کردیا تو وہ نکاح ہوایانہیں ؟اگر نہیں ہوا تو نکاح پڑھانے والے قاضی پر کیا حکم ہے۔جن لوگوں نے نکاح میں شرکت کی ان پر شریعت کا کیا حکم ہے۔قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

السائل:محمد شوکت علی باڈمیر متعلم دارالعلوم اسحاقیہ

الجواب۔ جوعورت کسی کے نکاح میں ہو اس سے اسی حالت میں کسی دوسرے شخص کا نکاح کرنا حرام قطعی ہے باطل محض ہے لھذا جب ہندہ خاوند کے نکاح میں تھی تو اس کا نکاح حامد کے ساتھ حرام قطعی ہوا وہ نکاح ہوا ہی نہیں باطل محض ہوا جیسا کہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:وَالْمُحصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ ؛(پ۵ ع۱)جس نے ہندہ کا نکاح حامد کے ساتھ کیا وہ اس نکاح کے باطل ہونے کا اعلان کرے اور نکاحانہ پیسہ بھی واپس کرے اور علانیہ توبہ واستغفار کریں اور احتیاطا تجدید ایمان ونکاح بھی کرے اور ہندہ کے والدین اور جوبھی اس مجلس میں شریک ہوئے وہ سب علانیہ توبہ واستغفار کریں اور احتیاطا تجدید ایمان ونکاح بھی کریں جیسا کہ سیدی الکریم حضور شارح بخاری علاّمہ مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ والرضوان اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ جوعورت کسی کے نکاح میں ہو اسکا نکاح کسی اور سے کرنا حرام قطعی ہے ارشاد ہے:وَالْمُحصَنٰتُ مِنَ النِّسَاءِ ؛ اور اس کا حرام ہونا ضروریات دین سے ہے اس لئے اس کا حلال جاننا کفر ہے کسی کا نکاح پڑھانا اس میں شریک ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس کو حلال جانتا ہے مگر کبھی کبھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ کچھ لوگ حضوری لالچ وغیرہ کی وجہ سے یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ نکاح حرام ہے نکاح پڑھا دیتے ہیں نکاح کی مجلس میں شریک ہوجاتے ہیں گواہ وکیل بن جاتے ہیں اس تقدیر پر نکاح خواں وگواہ وشرکاءمجلس صرف گنہگار رہوں گے۔کافر نہ ہوں گے۔اب یہاں شرکاء کی نیت کا حال معلوم نہیں اور ہمیں حکم ہے کہ مسلمان کے فعل کو اچھے محمل پر محمول کریں اس لئے حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ نے یہ حکم ارشاد فرمایا کہ یہ سخت کبیرہ کا مرتکب ہوا

لیکن جس چیز کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس پر احتیاطا

تجدید ایمان وتجدید نکاح کا حکم ہے عالمگیری میں ہے: **ما کان فی کونہ کفرا اختلاف فان قائلة یؤمر بتجدید النکاح وبالتوبة والرجوع عن ذالک بطریق الاحتیاط** ۔ جس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو اس کے قائل کو احتیاطا تجدید ایمان اور توبہ اور اس قول سے رجوع کا حکم دیا جائے گا اس بنا پر تجدید ایمان ونکاح کا حکم دیا (حاشیہ فتاوی امجدیہ ج ۲ ص ۱۰۔۱۱) واللہ تعالی اعلم

دوسرے ملک میں مقیم سرپرست، اپنے ہندستانی ماتحتوں کے صدقہ فطر میں کہاں کا اعتبار کرے؟

زید کے لڑکے ناگور شریف میں ہیں اور زید سعودیہ میں ہے تو صدقہ فطر کہاں کی قیمت سے ادا کیا جائے گا؟ السائل۔ حافظ محمد سرور لکھاران جودھ پور

الجواب۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زید کے لڑکے جبکہ ناگور شریف میں ہیں اور زید سعودیہ میں ہے تو صدقہ فطر کے گیہوں کی قیمت سعودیہ ہی کے حساب سے زید پر نکالنا واجب ہے اس لئے کہ فطرہ میں اس جگہ کا اعتبار ہے جہاں صدقہ فطر نکالا جائے خواہ اس جگہ اہل وعیال رہتے ہوں یا دوسرے شہر میں رہتے ہوں جیسا کہ فتاوی عالم گیری مع خانیہ جلد اول ص ۱۹۰ میں ہے "**فی صدقة الفطر یعتبر مکانه لامکان اولاد الصغار وعیده فی الصحیح کذا فی التبین وعلیه الفتوی وکذا فی الفطرة یعتبر المؤدی لا مکان المؤدی اعنی الولد الدقیق**" جیسا کہ فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمۃ والرضوان اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔ بچے اور زیورات جبکہ وطن میں ہیں تو صدقہ فطر کے گیہوں میں بمبئی کی قیمت کا اعتبار کرنا ہوگا اور زیورات میں وطن کی قیمت کا۔ **لانه یعتبر فی صدقة الفطر مکان المؤدی وفی الزکوة مکان المال هکذا قال صاحب الهدایه فی کتاب الاضحیة** ۔ فتاوی فیض الرسول ج ا ص ۵۱۱

نیز فقیہ ملت فتاوی فقیہ ملت میں فرماتے ہیں باپ پر چھوٹے بچوں کے فطرے کے گیہوں کی قیمت بمبئی ہی کے حساب سے نکالنا واجب ہے اگر چہ اس کے بچے وطن یوپی میں ہیں اس لئے فطرہ میں اس جگہ کا اعتبار ہے جہاں صدقہ فطر نکالا جائے خواہ اس جگہ اہل وعیال رہتے ہوں یا کسی دوسرے شہر میں رہتے ہوں۔ فتاوی فقیہ ملت ج:ا ص: ۳۳۱ واللہ تعالی اعلم

کتبہ محمد عالمگیر الرضوی المصباحی عفی عنہ۔ خادم تدریس وافتاء اسحاقیہ
۸ شعبان المعظم ۱۴۳۷ جودھپور (راجستھان)

صفحہ 26 کا بقیہ: نماز ان کی عادت ہوجاتی ہے پھر نماز کے دوران خوف وہیبت طاری نہیں ہوتی، تو ایسی نشانی ظاہر فرما کر نماز کا حکم دیا کہ ایک نماز خوف وہیبت کے عالم میں ادا کریں۔ (ملخصاً کشف الاستار ثانی ص ۳۳۰)

آج کل جب کہیں سورج یا چاند گہن ہوتا ہے تو لوگ اسے تماشا بنا لیتے ہیں، مختلف طریقوں سے اسے دیکھنا چاہتے ہیں۔ ساتھ ہی ابھی بھی زمانۂ قدیم کی طرح قسم قسم کے اوہام بھی پائے جاتے ہیں مثلاً گہن کا سایہ اگر حاملہ خاتون پر پڑ گیا تو رحم میں بچہ پر اثر پڑے گا۔ گہن کے وقت پکایا گیا کھانا زہر بن جائے گا۔ سورج پر چاند حملہ کردے گا۔ وغیرہ

ہاں یہ نظریہ کچھ دانش وروں کا رہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ سورج کی کشش ثقل (gravity) ایسے وقت میں متاثر ہو۔ اگر ایسا صحیح ہوا تو ایسے وقت کواکب کے آپس میں ٹکرانے کا خطرہ ہوسکتا ہے۔ اس لیے گہن پر اس لحاظ سے بھی غور کیا جاتا ہے کہ کیا سورج، چاند یا زمین کا مقناطیسی حلقہ (Magnatic field) تبدیل ہوتا ہے؟ کیونکہ یہ نظام شمسی اپنی مقناطیسی قوت اور کشش ثقل سے سرگرم عمل ہے۔ اور جب کوئی سیارہ دوسرے کے مدار میں داخل ہوگا تو بہت ممکن ہے کہ ایسی تبدیلی معرض وجود میں آئے، پھر تو فضائے آسمانی میں کوئی بھیانک تصادم ہوسکتا ہے۔ بہر کیف ابھی تک ان باتوں کو ثابت نہیں مانا گیا ہے۔ لیکن جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی حالت میں رہنمائی فرمادی کہ خوف الٰہی پیدا کرنا چاہیے اور ذکر وعبادت کی طرف رجوع کرنا چاہیے تو یقیناً گہن کو تماشا بنانے کی بجائے وہی کرنا چاہیے جو ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ ☆

شب قدر کا تعین اور اقوال ائمہ

محمد علی قاضی

حدیث پاک میں حکم ہے کہ شب قدر کو رمضان المبارک کے عشرہ اخیرہ کی طاق راتوں میں تلاش کیا جائے مگر جمہور علمائے اہل سنت نے شب قدر کی تعیین میں ستائیس رمضان پر اصرار کرتے ہوئے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابن عباس وحضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنھما کے اقوال پیش فرمائے ہیں نیز ارباب دین ودیانت اور اصحاب علم ودانش نے درج ذیل یہ دو تین معقول استدلالات بھی بیان کئے ہیں:

(الف) لیلۃ القدر کلمے میں ۹ حروف ہیں اور مذکورہ کلمہ سورہ **انا انزلناہ** میں تین بار آیا ہے اور تین کو ۹ سے ضرب دینے سے ۲۷ کا عدد بنتا ہے جو اشارہ ہے کہ شب قدر ۲۷ویں رمضان ہی کو ہے۔ (ب) بعض نے کہا کہ رمضان کی ہر شب میں باجماعت ۲۷ رکعتیں پڑھی جاتی ہیں یعنی ۴عشا کی فرض ۲۰ تراویح کی سنت مؤکدہ اور ۳ وتر کی واجب نماز اس طرح کل ۲۷ رکعتیں ہوئیں۔ یہ دراصل اشارہ ہے کہ شب قدر ۲۷ رمضان کو ہے۔ (ج) علما کا ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سورۂ مبارکہ میں تیس (۳۰) الفاظ ہیں۔ ۲۷واں کلمہ 'ھیَ' ہے، جس کا مرجع لیلۃ القدر ہے گویا رب تبارک تعالیٰ کی طرف سے واضح اشارہ ہے کہ ۲۷ویں رمضان ہی کو شب قدر ہونی چاہیے۔

۲۷ رمضان ہی کو شب قدر کی تعیین کرنے والوں میں حسب ذیل مبارک ہستیوں کے اسمائے گرامی بھی شامل ہیں۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر، امام اعظم امام ابوحنیفہ، حضرت غوث پاک، حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنھم (ماخوذ از فیضان سنت)

علامہ غلام رسول سعیدی کی تحقیق: شب قدر کی تعیین میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں چھیالیس اقوال دلائل کے ساتھ ذکر کیے ہیں۔ ہم ان میں سے ائمہ مذاہب کے اقوال منتخب کر رہے ہیں۔ امام مالک بن انس، امام احمد بن حنبل اور سفیان ثوری کا مذہب ہے کہ شب قدر ہمیشہ ایک تاریخ میں نہیں ہوتی بلکہ رمضان کے آخری عشرے میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ شب قدر آخری عشرے کی پہلی رات میں ہے اور مشہور رائے کے مطابق امام ابوحنیفہ کے نزدیک سال کی کسی تاریخ میں یہ رات ہوسکتی ہے لیکن علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں کہ امام اعظم کے نزدیک شب قدر رمضان ہی کی کسی شب میں ہوتی ہے اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک یہ رمضان کی کسی ایک معین رات میں ہوتی ہے۔ شب قدر کی تعیین میں اس قدر اختلاف کے باوجود جمہور امت کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ یہ رات رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ہے اور اکثرین کا مختار یہی ہے کہ شب قدر رمضان کی ستائیسویں شب ہے۔ حضرت ابی ابن کعب بغیر کسی استثنا کے قسم کھا کر فرماتے تھے کہ یہ ستائیسویں رات ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ عدد طاق ہے اور طاق اعداد میں سات (۷) کا عدد پسندیدہ ہے۔ وہ اس بات پر سات زمینوں، سات آسمانوں، سات اعضا پر سجدہ، ہفتہ کے سات دنوں، اور طواف کے سات پھیروں سے استدلال کرتے تھے اور جب ثابت ہوگیا کہ سات کا عدد پسندیدہ ہے تو پھر یہ رات رمضان کے آخری عشرے کی ساتویں رات ہونی چاہیے۔ فخر رازی نے حضرت ابن عباس سے یہ بھی نقل کی ہے کہ لیلۃ القدر کے حروف نو ہیں اور یہ لفظ قرآن کریم میں تین مرتبہ ذکر کیا گیا ہے جن کا مجموعہ ستائیس ہے پس یہ رات ستائیسویں ہی ہونی چاہیے۔ (ماخوذ از مقالات سعیدی)

غنیۃ الطالبین میں ہے۔ شب قدر کو رمضان شریف کے آخری عشرے میں تلاش کیا جائے۔ ان تاریخوں میں زیادہ مشہور ستائیسویں شب ہے۔ امام مالک کے نزدیک کسی تاریخ کا تعین وثوق کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا، آخری عشرے کی سب راتیں برابر

ہیں۔امام شافعی کے نزدیک اکیسویں شب زیادہ قابل اعتماد ہے۔ ایک قول ہے کہ انتیسویں شب ،ام المومنین حضرت عائشہ کا یہی مسلک تھا(وہ اسی رات کو خیال فرماتی تھیں)حضرت ابو مروہ تیئیسویں شب کے قائل تھے۔حضرت ابوذر اور حضرت حسن نے فرمایا کہ یہ پچیسویں شب ہے۔حضرت بلال نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ وہ چوبیسویں شب ہے۔حضرت ابن عباس اور حضرت ابی بن کعب نے فرمایا کہ وہ ستائیسویں شب ہے اس تعین پر ان کی دلیل یہ ہے کہ ستائیسویں شب زیادہ موکد ہے۔ مختصر یہ کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ وہ کونسی شب ہے؟

امام حنبل نے بالاسناد حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اپنے اپنے خواب رمضان کے آخری عشرے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا کرتے تھے۔اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگوں کے خواب ستائیسویں شب کے متعلق متواتر ہیں۔اس لیے جو شخص شب قدر کی جستجو کرے وہ ستائیسویں رات کو کرے۔یہ بھی مروی ہے کہ حضرت ابن عباس نے حضرت عمر فاروق سے کہا میں نے طاق عددوں پر تو سات(۷)سے زیادہ کسی طاق عدد کو لائق اعتماد نہیں پایا پھر جب سات کے عدد پر غور کیا تو آسمانوں کو بھی سات، زمین کو سات، رات کو بھی سات، دریا کو بھی سات، صفا و مروہ کے درمیان سعی بھی سات بار ہے، خانہ کعبہ کا طواف بھی سات بار ہے، رمی جمار بھی سات بار، انسان کی تخلیق بھی سات اعضا سے ہے، اس کے چہرے میں بھی سات سوراخ ہیں، قرآن مجید میں حٰم سے شروع ہونے والی سورتیں سات ہیں، سورہ الحمد کی آیات سات ہیں، قرآن پاک کی قراءتیں بھی سات ہیں، نیز منزلیں بھی سات ہیں، سجدہ بھی سات اعضا سے ہوتا ہے، جہنم کے دروازے سات ہیں، جہنم کے نام سات اور اس کے درجے بھی سات ہیں، اصحاب کہف سات ہیں، سات دن کی مسلسل اور لگا تار آندھی سے قوم عاد ہلاک ہوگئی، حضرت یوسف علیہ السلام سات سال جیل خانہ میں رہے، بادشاہ مصر نے خواب میں جو گائیں دیکھی تھیں وہ سات تھیں، قحط کے بھی سات سال تھے، ارزانی کے بھی سات سال، اور پنج گانہ نماز کے فرائض کی رکعتیں سترہ(۱۷)ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **وسبعة اذا رجعتم** (جب حج سے فارغ ہوکر لوٹو تو سات روزے رکھو) نسبی عورتیں بھی سات ہی حرام ہیں اور سسرالی عورتیں بھی سات حرام ہیں، کتا اگر کسی برتن میں منھ ڈال دے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے بموجب اس کو سات بار پاک کرنے کا حکم ہے جس میں پہلی بار مٹھی سے مانجھنا ہے، سورہ القدر کے آغاز سے سلام تک حروف کی تعداد ۲۷ ہے، حضرت ایوب علیہ السلام اپنی آزمائش میں سات سال مبتلا رہے، حضرت ام المومنین عائشہ نے فرمایا کہ میں سات سال کی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح فرمایا ،سردی میں نکاح فرمایا، سردی کے آخری دن سات ہیں، تین دن شباط (پھاگن) کے اور چار دن آذر (چیت) کے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے شھدا سات طرح کے ہیں(۱) راہ خدا یعنی جہاد میں مارے جانے والا(۲)طاعون میں مرنے والا(۳)سل کے مرض میں مرنے والا(۴)ڈوب کر مرنے والا(۵)جل کر مرنے والا(۶)پیٹ کے مرض (ہیضہ) سے مرنے والا۷)وضع حمل میں مرنے والی عورت، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طول اس زمانے کے سات گز کے برابر تھا اور آپ کے عصا کا طول بھی سات گز تھا۔جب یہ ثابت ہوگیا کہ اکثر چیزیں سات ہیں تو اللہ تعالیٰ نے **سلام ھی حتی مطلع الفجر** فرما کر بندوں کو آگاہ کردیا کہ شب قدر ستائیسویں شب ہے(کہ اس میں سات کا ہندسہ شامل ہے)اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شب قدر ستائیس تاریخ کو ہوتی ہے۔(مترجم شمس بریلوی)

تحقیقی اشارے: مذکورہ بالا حوالوں کے بعد اب آپ ہمارے چند تحقیقی اشارے بھی پڑھ لیں جو شب قدر کے تعین میں (کہ یہ ۲۷ ویں شب ہی ہے) ممد و معاون ثابت ہونگے (الف) حضرت عمرو بن شیبہ نے اخبار مدینہ میں حضرت جابر سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ستائیسویں رمضان کی صبح کو مسجد قبا جاتے تھے۔اہل مدینہ کا آج بھی اس پر عمل ہے۔نوٹ! مسجد قبا ہجرت کے بعد اسلام

کی پہلی مسجد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے جلیل القدر سابقین اولین مہاجرین وانصار کے ساتھ ملکر اس کی تعمیر فرمائی۔ یہاں دو رکعت نفل نماز پڑھنا عمرہ کے برابر ہے۔(از نزہۃ القاری شرح بخاری ج۳ص۵۲۲)

(ب) کلما دخل علیھا زکریا المحراب (آل عمران آیت ۳۷) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت مریم کی ولادت کے بعد ان کی ماں حنہ نے انہیں ایک کپڑے میں لپیٹ کر بیت المقدس میں احبار کے سامنے پیش کیا، یہ احبار حضرت ہارون کی اولا میں تھے اور بیت المقدس میں ان کا منصب ایسا تھا جیسا کہ کعبہ شریف میں حجبہ کا تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ احبار ستائیس (۲۷) تھے۔ (ج) بریلی کے فقیہ ومحدث اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قرآن شریف میں پاروں کی تقسیم کے حوالے سے ایک جواب میں تحریر فرماتے ہیں ؛امام جلال الدین سیوطی نے کتاب الاتقان میں جس قدر احادیث و روایات و اقوال قرآن عظیم کے ایسے امور کے متعلق جمع فرمائے ہیں، اس میں پاروں کا کہیں ذکر نہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے (صحابہ کرام) وقت تک یہ تقسیم نہ تھی ہاں رکوع جاری ہوئے۔ آٹھ سو برس ہوئے مشائخ کرام نے الحمد شریف کے بعد پانچ سو چالیس (۵۴۰) رکوع رکھے کہ تراویح کی ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھے تو ستائیسویں شب میں کہ شب قدر ہے، ختم ہو۔ (ماخوذ از ملفوظات اعلیٰ حضرت ج اول ص ۱۴۹)

(د) سورۃ القدر جس میں شب قدر کا ذکر جمیل ہے یہ سورہ قرآن کریم کا ۹۷واں سورہ ہے نیز سورۃ القدر کے بعد باقی بچے سورتوں کی تعداد بھی سترہ (۱۷) ہے۔ گویا سورۃ القدر کے نمبر شمار میں عدد سات شامل ہے اور باقی بچے سورتوں کی تعداد میں بھی عدد سات کی کرشمہ سازی موجود ہے۔ختم قرآن پاک! یوں تو پورے ملک میں اور خصوصا ہمارے جنوب میں ہر سال ۲۷ ویں رمضان ہی کو شب قدر کا اہتمام ہوتا چلا آیا ہے۔ اسی شب کو حفاظ قرآن کریم قرآن پاک ختم کرتے ہیں، شب بھر عبادات و بیانات اور فاتحہ وسلام کی تقاریب منعقد ہوتی ہیں اور عموما اسی شب مساجد کی سالانہ کاروائیوں کا جائزہ بھی لیا جاتا ہے۔

میں اس موقع پر جناب خالد فیصل ندوی صاحب کے ایک مضمون ''شب قدر گنجینہ ء خیر وبرکت'' کا ایک اقتباس قارئین کی نذر کرونگا جو ہمارے موقف کی کھلی تائید ہے اور شب قدر کے حوالے سے مسلمانان ہند کے دینی معمولات و مذہبی تقاریب کی صحت پر کھلے اعتراف کا ایک واضح نمونہ بھی۔ مذکورہ مضمون ،ملک کے معروف ونامور مذہبی وعلمی مرکز ندوۃ العلماء لکھنوء سے جاری ہونے والے پندرہ روزہ مجلّے ''تعمیر حیات'' میں شائع ہوا ہے:

آیات قرآنی اور احادیث نبوی اور اقوال سلف سے یہ بات ثابت ہے کہ خیر وبرکت کی یہ مجسم رات رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کی طاق (۲۱،۲۳،۲۵،۲۷،۲۹) راتوں میں سے کسی ایک رات میں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ اور رحمت عامہ سے اسکو پوشیدہ ومخفی رکھا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کے نیکوکار بندے اسکی تلاش وجستجو میں سرگرداں ہوں ،انکے اندر طلب صادق پیدا ہو اور اسکی طلب میں زیادہ سے زیادہ راتوں کو جاگ کر ذکر وعبادت میں گذاریں اور شب قدر کی رحمت، برکت اور سعادت حاصل کریں۔ اسی بنا پر اسکی تعیین میں علماء امت کے چالیس پچاس اقوال ہیں، بہر کیف یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اس بابرکت وباعظمت رات (شب قدر) ہونے کا زیادہ احتمال ہے اور خاص طور سے ۲۱ اور ۲۷ رات میں ہونے کا گمان غالب ہے۔ چنانچہ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ رات دس باقی راتوں میں ہے اور یہ رات اکائی کی ہے، نیز حضرت ابوسعید خدری کی ایک طویل حدیث کے ایک طریق میں ہے کہ اکیسویں رات تھی۔ (صحیح بخاری)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عشرہ اخیر کے آخری سات دنوں میں تلاش کرو، (احمد، ابن حبان، حاکم)

بقیہ صفحہ 21 پر :

اللہ کا فضل اور انعام ہے عید سعید

محمد ہاشم قادری صدیقی مصباحی

اسلام ایک کامل واکمل دین ہے۔ اسلام ایک ایسا دین ہے جوفطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے۔ ارشاد باری ہے (سورہ مائدہ، آیت نمبر ۳ پارہ ٦ رکوع ۵) اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ ...... اَلخ آج میں نے تمہارے لیے دین کامل کردیا اورتم پر اپنی نعمت پوری کردی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا (کنزالایمان)

دینِ اسلام اللہ کو پیارا ہے اور مومنوں کے لیے بھی اللہ نے پسند فرمایا ہے۔ دینِ اسلام انسانی زندگی کے تمام گوشوں کی رعایت کرتا ہے۔ یہ بات بھی انسانی فطرت کے عین مطابق ہے کہ وہ خوشی ومسرت اور شادمانی کے مواقع کا متمنی ہوتا ہے۔ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ کبھی کبھی وہ اپنی تمام تر مصروفیات سے نکل کر اپنے گھر والوں اور اعزّہ واقربا کے ساتھ خوشی ومسرت کے کچھ لمحات گزارے۔ اسی خواہش کی تکمیل کے لیے اسلام نے ہمیں دو تہوار (Festival) عطا کیے۔ **عِیْدُ الْفِطْرُ** اور **عِیْدُ الْاَضْحٰی**۔

"عید الفطر" تہذیب وشائستگی کا جشن مسرت، اسلام کی اعلیٰ اقدار اور عظیم روایات کی علامت ہے، یہ مبارک و پر مسرت تہوار روزِ سعید عید الفطر تقویم عیسوی کے مطابق ۲۷/ مارچ ٦۲۴ء بمطابق یکم شوال ۲ھجری سے منایا جارہا ہے، جسے اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثار صحابۂ کرام کی مقدس جماعت کے ہمراہ مدینہ منورہ سے باہر ادا فرمایا تھا۔ حضرت ابنِ حبان رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ہجرت کے دوسرے سال جب شافع روزِ محشر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر کی تاریخ ساز فتح کے بعد واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس کے آٹھ دن بعد 'عید الفطر' منائی گئی۔ کیونکہ رمضان المبارک کے روزے اسی سال فرض ہوئے تھے۔ ارشوال ۲ھ میں یہ عید سعید جنگ بدر کی فتح مبین کے بعد پیش آئی، کتنی خوشگوار تھی یہ عید سعید۔ جس کی سعادت اللہ نے مسلمانوں کے سر پر فتح وافتخار کا تاج رکھنے کے بعد عطا فرمائی اور کتنا ایمان افروز تھا اس پہلی نمازِ دوگانہ کا دلکش منظر جسے صحابہ کرام نے اپنے گھروں سے نکل کر تکبیر و تحمید اور تسبیح کی صدائیں اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ وَاللّٰہُ اَکْبَر اَللّٰہُ اَکْبَر وَ لِلّٰہِ الْحَمْد ط بلند کرتے ہوئے عیدگاہ جاکر نمازِ عید ادا کیا تھا۔

عید سعید خوش نصیب عبادت گزاروں کیلئے ہے:

رمضان المبارک کے اختتام پر اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کے لیے عید کو انعام کا دن بنایا ہے۔ حضور سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے اپنی کتاب "غُنیتہ الطالبین" میں حدیث پاک نقل فرمائی ہے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنھما سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں شبِ فطر (عید کی رات) کا نام شبِ جائزہ (انعام کی رات) ہے عید کی صبح اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم فرماتا ہے کہ ہر جگہ پھیل جاؤ، چنانچہ سب فرشتے زمین پر اُتر کر ہر گلی کوچے میں کھڑے ہوجاتے ہیں اور پکار کر کہتے ہیں: اے اُمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اپنے رب کی طرف نکلو وہ کچھ تمہیں عطا کرنا چاہتا ہے۔ وہ تمہارے گناہ کبیرہ بخش دے گا۔ چنانچہ جب لوگ اپنے گھروں سے عید کی نماز کے لیے نکلتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے: بتاؤ جس مزدور نے اپنا کام پورا کیا اس کی اُجرت کیا ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں اے ہمارے پروردگار اس مزدور کو پوری اُجرت عطا کر۔ تب اللہ تعالیٰ فرشتوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے: ان لوگوں نے جو روزے رکھے اور نمازیں پڑھیں ان کے عوض میں نے ان کی مغفرت کردی۔ فرشتے یہ سن کر بہت خوش ہوتے ہیں اور اُمتِ محمدی کو اللہ تعالیٰ جو عطا فرماتا ہے فرشتے ہر شخص کو اس کی

خوش خبری سناتے ہیں۔(غُنیۃ الطالبین صفحہ ۳۹۷)۔

اس حدیث پاک سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں ایک تو حدیث کے شروع میں جس بات کا ذکر ہے کہ فرشتے ایمان والوں کو اپنے رب کی طرف نکلنے کی دعوت دیتے ہیں، حقیقتاً اس کی عملاً نظیر اس وقت دیکھنے میں آتی ہے، جب عید کی صبح بوڑھے، بچے، جوان اور مرد سب کے سب اپنے اپنے گھروں سے عیدگاہ کی طرف تیز تیز قدموں سے بڑھتے ہیں اور عیدگاہ، مسجدوں، نمازگاہوں میں جمع ہو کر نماز دوگانہ ادا کرکے ساری دنیا کے سامنے اخوت اسلامی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ دوسری اور سب سے اہم بات اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے کہ عید کے انعام واکرام اور مبارک باد کے اصل مستحق وہی لوگ ہیں جنہوں نے رمضان بھر اپنے رب کو خوش کرنے، رضا جوئی کی خاطر روزے رکھے، نمازیں پڑھیں، نیک اعمال کیے، تقویٰ کی اس تربیت کا فائدہ اُٹھایا اور جو رمضان المبارک گزارنے کے بعد بھی روزے کی کیفیات کو اپنے اندر جذب کرلیا اور اپنے نفس پر اس حد تک کنٹرول کرلیا کہ اس کی نامناسب و ناپسندیدہ خواہشوں کی پیروی نہیں کی۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس کی مثال یوں بیان فرماتے ہیں۔ کہ ایک شخص اچھی سے اچھی غذا کھائے جو انسان کے لئے نہایت قوت بخش ولذیذ ہو مگر کھانے سے فارغ ہوتے ہی اس کو قے (اُلٹی) کردے تو اس غذا کا کوئی فائدہ اُسے حاصل نہ ہوگا۔ اس لیے کہ اس نے ہضم ہونے اور خون بننے کا اُسے موقع ہی نہیں دیا۔ اس کے برعکس اگر ایک شخص غذا کھا کر اُسے ہضم ہونے اور خون بننے کا موقع فراہم کرے تو اُس غذا سے خون بن کر اس کے جسم میں دوڑنے لگے گا۔ تو یہ اُس غذا کا فائدہ ہے۔ بالکل ایسا ہی معاملہ روزوں کا ہے۔ ان کا حقیقی فائدہ ہم اس طرح اُٹھا سکتے ہیں کہ ایک مہینے تک جو اخلاقی دینی تربیت ان روزوں نے ہمیں دی ہے، عید کے بعد بھی ہم نکال کر اپنے اندر سے پھینک نہ دیں بلکہ اس کو گیارہ مہینے اس کے اثرات کو اپنی زندگی میں جما کر بسا کر رکھیں کام کرنے کا موقع دیں، دین واخلاق پر قائم رہیں۔ یہ فائدہ اگر کسی کو حاصل ہوگیا تو وہی عید سعید کی خوشی کا اصل مستحق ہے۔

عید اسکی نہیں جو روزے نہ رکھتا ہو:

وہ شخص جس نے رمضان کے روزے نہ رکھے ہوں یا اگر رکھے بھی تو بس اس طرح کہ ان تیس روزوں کا اس کی زندگی پر کوئی اثر نہ ہو بلکہ وہ جس طرح رمضان کے پہلے لہو ولعب اور فساد جھوٹ اور دیگر لغویات میں مشغول تھا اور بعد رمضان بھی ویسا ہی ہے تو ایسے لوگ نہ عید کی مبارک باد کے مستحق ہیں اور نہ ہی عید ان کے لیے حالانکہ اصل خوشی ان ہی کو ہوتی ہے اور ایسے لوگ ہی دھوم مچاتے ہیں۔

عیدالفطر کے روز خوشی کا اظہار کرنا سنت ہے:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رمضان کا پہلا عشرہ رحمت دوسرا مغفرت اور تیسرا جہنم سے آزادی کا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ مہینہ رحمت، مغفرت اور جہنم سے آزادی کا مہینہ ہے۔ لہٰذا اِن بڑے بڑے انعامات کی خوشی میں ہمیں عید سعید کی خوشی منانے کا موقع فراہم کیا گیا ہے۔ لہٰذا ادائے سنت کی نیت سے ہمیں خوشی منانا اور اس کا اظہار کرنا چاہیے۔ اللہ کی رحمت اُس کے فضل پر خوشی منانے کا حکم تو خود مولائے رحیم دے رہا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے سورہ یونس، آیت نمبر ۵۶ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ترجمہ: تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اس کی رحمت پر چاہیے کہ خوشی کریں (ترجمہ کنز الایمان) عیدالفطر کا دن اہم ترین دن ہے اس دن اللہ کی رحمت نہایت جوش میں ہوتی ہے۔ اللہ کی بارگاہ سے کوئی سائل مایوس نہیں لوٹایا جاتا۔ ایک طرف اللہ کے نیک بندے اللہ کی بے شمار رحمتوں اور عناعتوں پر خوشیاں منا رہے ہوتے ہیں تو دوسری طرف مومنوں پر اللہ کی اتنی کرم نوازیاں دیکھ کر انسان کا بدترین دشمن شیطان جل بھن جاتا ہے اور لگتا ہے مومنوں کو بہکانے اور لہو ولعب میں مبتلا کرا کر محلّہ روڈ ہر جگہ بڑے بڑے ساونڈ باکس لگوا کر فحش گندے گانے بجوا کر عید کے انعام کو برباد کرنے میں لگ جاتا ہے۔ ہمارا نوجوان اس میں ایسا لگتا ہے کہ اللہ کی پناہ۔

مسرت وشادکا دن ہے عید سعید:

عید کی صبح بندہ مومن نے فجر کی نماز ادا کی اطاعت وبندگی اور

اُس کی یاد میں لگ گیا، دوسری قوموں کے تہواروں میں لوگ خوشی میں آپے سے باہر ہوکر نشے میں دھت لہولعب میں لگ جاتے ہیں۔ لیکن مسرتوں بھرے تہواروں میں نہ آپے سے باہر ہوتا ہے نہ خدا کو بھولتا ہے، نہ انسانوں کے حقوق کو بھولتا ہے۔

خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، سارے انسانوں کے ساتھ انصاف اور حسن سلوک اور سب پر رحم کرتا ہے۔ بندہ مومن کی خوشی و مسرت خدا کی بندگی واطاعت میں ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اس پیغام کو عام کیا جائے اور پوری انسانیت میں اس محبت، پیار، تعلق، اخوت، بھائی چارگی، یکجہتی، اتحاد واتفاق اور مل جُل کر رہنے کا طریقہ، غریبوں، مسکینوں، ناداروں اور کمزور لوگوں کی مدد واعانت کے جذبہ کو اُبھارا جائے۔ عید سعید کی خوشیاں ہمیں دعوت دیتی ہیں کہ ہم سوچیں، غور کریں کہ اسلام نے وہ کون سی بنیادیں اور اصول عطا کیے ہیں جس سے اس کی خوشیاں آفاقی ہوگئیں اور پوری دنیا خوشی ومسرت میں ڈوبی ہوئی نظر آتی ہے۔

عید سعید اور ہماری ذمہ داریاں:

جس اللہ کے خوف سے ہم رمضان المبارک میں برائیوں سے بچتے تھے، وہ رب ذُوالجلال صرف رمضان کے لیے ہمارا پروردگار نہیں بلکہ وہ سال کے باقی گیارہ مہینوں میں بھی ہمارا اللہ ہے۔ عید کو دوسری قوموں کی طرح کا تہوار نہ سمجھا جائے بلکہ عید کے ذریعہ تو اسلام ایسے پاک معاشرے کی تشکیل چاہتا ہے جو ہر طرح کی گندگیوں سے یکسر پاک ہو۔ عید خوشی ہے اور یوم شکر و یوم انعام بھی۔ اللہ کے حضور شکر کے اظہار کے ساتھ تربیت، تزکیہ نفس کے لیے واضح پیغام ہے عیدالفطر، یوم تزکیہ بھی ہے اللہ سے دُعا ہے کہ عید سعید کی خوشیاں تمام عالمِ اسلام کو عطا ہو، مبارک ہو اور اس انعام کی اہمیت کو سمجھنے کے ساتھ دین اسلام پر عمل کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین!

☆ خطیب وامام، مسجد ھاجرہ رضویہ،
اسلام نگر، کپالی جمشید پور ٹاٹا، جھارکھنڈ
Mob.: 09386379632

صفحہ 18 کا بقیہ:

اور بخاری شریف کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ شب قدر رمضان کی ستائیسویں (۲۷) شب میں ہے۔ (بخاری) اور حضرت ابی ء بن کعب رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ؛ بخدا شب قدر رمضان کے مہینہ میں ہے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ کونسی رات ہے؟ یہ وہی ستائیس کی رات ہے جس کے قیام کا حکم حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو دیا تھا (ابوداؤد) نیز متعدد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم خصوصا حضرت عمر اور حضرت ابن عباس سے بھی ستائیس (۲۷) شب کے شب قدر ہونے کی روایات مروی ہیں۔ چنانچہ علماء سلف کی ایک بڑی تعداد ستائیسویں شب کو ہی شب قدر سمجھتی ہے، چنانچہ الفتح الربانی میں مذکور ہے کہ اکثر ائمہ کے نزدیک اس (شب قدر) کی سب سے زیادہ توقع رمضان کی ستائیسویں (۲۷) رات میں ہوتی ہے۔ نیز ارکان دائمی کمیٹی برائے بحوث وفتاویٰ نے بھی ستائیسویں رات کو ہی شب قدر کے لئے زیادہ امکان ظاہر کیا ہے (فتاویٰ اللجنۃ الدائمہ) اسی طرح شیخ ناصر الدین البانی کی بھی یہی رائے عالی ہے۔ انہی حقائق ومعارف کی بنا پر تمام ممالک اسلامیہ میں امت اسلامیہ کی اکثریت ستائیسویں شب کو نفل نماز، ذکر وتلاوت، توبہ واستغفار اور تسبیح وتہلیل کا بڑا اہتمام کرتی ہے۔ اکثر اسلاف کرام اور اکابرین عظام کا بھی یہی معمول ہے اسی بناء پر عالم اسلام کی اکثر وبیشتر مساجد میں تراویح ستائیسویں (۲۷) رات کو ختم کی جاتی ہے اس کے بعد بہت ہی عاجزانہ اور والہانہ اللہ رب العزت سے دعا کی جاتی ہے۔ ماخوذ از تعمیر حیات ۲۵، اگست ۲۰۰۹۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو دائرۂ شریعت میں رہتے ہوئے صدق دل سے شب قدر کو تلاش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

☆ خطیب مسجد منورہ نوری فاؤنڈیشن
بنگلور۔ کرناٹک
Cell.9448063144

سورج گہن اور چاند گہن ۔ مذہبی اور سائنسی نقطہ نظر سے

دوسری قسط

تحریر: مولانا فیضان المصطفیٰ قادری

گزشتہ مضمون میں عہد رسالت میں سورج گہن کا واقعاتی پہلو بیان کیا گیا تھا۔ اب زیر نظر تحریر میں ہم ان وجوہ وعلل کی طرف نظر کریں گے جن کی طرف احادیث مبارکہ رہنمائی فرماتی ہیں۔

سورج گہن سے متعلق حدیث کا نقطہ نظر:

سورج گہن کا سبب کیا ہے اس سلسلے میں احادیث کریمہ کے ظاہری معنی سے جو کچھ مستفاد ہوسکتا ہے وہ درج ذیل ہے:

اول: گہن سورج اور چاند پر اللہ تعالیٰ کی تجلی کا اثر ہے۔ چنانچہ بیہقی شریف کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز پر اپنی تجلی ڈالتا ہے تو اس پر خشوع طاری ہوتا ہے (وہ چیز متاثر ہوتی ہے)۔ **وان الله عزوجل اذا تجلى لشئ من خلقه خشع له. (بيهقي شريف)**

نسائی میں حضرت نعمان بن بشیر کی روایت سے بھی یہ مستفاد ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنی کسی مخلوق پر ظہور فرماتا ہے تو وہ چیز ماند پڑ جاتی ہے:

ان ناساً يزعمون ان الشمس والقمر لاينكسفان الا لموت عظيم من العظماء وليس كذلك ان الشمس والقمر لاينكسفان لموت أحد ولا لحياته ولكنهما آيتان من آيات الله عزوجل، ان الله عزوجل اذا بدا لشيءٍ من خلقه خشع له. (نسائی كتاب الكسوف رقم 1485)

یعنی لوگ سمجھتے ہیں کہ سورج اور چاند کسی عظیم شخصیت کی موت کے سبب گہن آلود ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ سورج اور چاند کو کسی کی موت وحیات کے سبب گہن نہیں لگتا، بلکہ یہ دونوں اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب کسی مخلوق پر اپنی تجلی کا ظہور فرماتا ہے تو وہ جھک جاتی ہے۔

دوم: اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک تبدیلی ہے۔ چنانچہ نسائی میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ یہ دونوں اللہ کی دو مخلوق ہیں اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے تبدیلی پیدا فرماتا ہے۔ ''**ولكنهما خليقتان من خلقه يحدث اللّٰهُ في خلقه مايشاء**'' (نسائی رقم 1490)

سوم: اللہ تعالیٰ ایسا اپنے بندوں کو خوف دلانے کے لیے کرتا ہے۔ چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کے ذریعہ اپنے بندوں کو خوف دلاتا ہے۔ ''**لكن الله تعالىٰ يُخوِّفُ بهماعباده.**'' **(صحيح البخاري كتاب الكسوف)**

چہارم: اللہ تعالیٰ اس سے اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔ جیسا کہ مسند احمد بن حنبل کی ایک روایت میں ہے:

أما بعد فان رجالا يزعمون أن كسوف هذه الشمس وكسوف هذ القمر وزوال هذه النجوم عن مطالعهما لموت رجال عظماء من اهل الارض وانهم قد كذبوا ولكنها آيات من آيات الله تعالىٰ يعتبر بها عباده فينظر من يحدث لهم منهم توبة. (مسند احمد رقم 20178)

یعنی لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ سورج و چاند گہن اور ان ستاروں کے اپنے مطالع سے ادھر ادھر ہونا بڑے لوگوں کی موت کے سبب ہوتا ہے، یہ جھوٹ ہے، بلکہ یہ تو اللہ کی نشانیاں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے کہ ان میں سے کون توبہ کرتا ہے۔

پنجم: اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے۔ چنانچہ کسوف سے متعلق عموما روایتوں میں یہ جملہ موجود ہے: ''**ولكنهما آيتان من آيات الله**''.

ششم: سورج گہن کسی کی موت وحیات کی وجہ سے نہیں ہوتا ۔جیسا کہ تمام روایتیں اس کی صراحت کرتی ہیں: ''ان الشمس والقمر لاینکسفان لموت احد و لالحیاته''.

ان احادیث کی روشنی میں گہن سے متعلق درج ذیل عناصر سامنے آئے۔

(۱)اللہ تعالیٰ کی تجلی کا اثر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی شی پر اپنی تجلی ڈالتا ہے تو اس کی اپنی خصوصیات ماند پڑ جاتی ہیں۔

(۲)اللہ تعالیٰ چانداور سورج سے متعلق یہ تبدیلی فرماتا ہے۔

(۳)اس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوف دلاتا ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے، کہ کون توبہ کرتا ہے۔

(۵)اللہ تعالیٰ کی نشانی ہے۔

(۶) کسی کی موت وحیات سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

ماہرین ہیئت کا اعتراض:

علم ہیئت کی رو سے سورج اور چاند گہن کے اسباب عادی ہیں:

یعنی سورج گہن تو اس وقت لگتا ہے جب چاند گردش کرتے کرتے زمین اور سورج کے درمیان آجاتا ہے جس کے سبب سورج کا اتنا حصہ نظر نہیں آتا جتنا چاند کے گولے سے چھپ جاتا ہے۔اور چاند گہن اس وقت ہوتا ہے جب کہ زمین سورج اور چاند کے مابین ہوتی ہے جس کے سبب سورج کی روشنی چاند پر نہیں پڑتی تو چاند اس قدر تاریک نظر آتا ہے۔اشکال یہ ہے کہ یہ تو ہر ایسے وقت ہوسکتا ہے جب دونوں میں سے کوئی بیچ میں حائل ہوجائے تو اس میں ڈرانے اور خوف دلانے کا عنصر کہاں ہے؟

اس کا جواب تلاش کرنے سے پہلے ہم ذرا سائنسی نظریے کی تفصیل کرتے ہیں:

سائنسی نظریہ:

سورج گہن چار قسم کے ہوتے ہیں۔کلی (Total Solar eclipse)،حلقی (Annular Solar eclipse)، جزوی (Partial Solar eclipse)،اور مرکب جسے (Hybrid Solar eclipse) کہتے ہیں۔

کرۂ شمس کا محیط ۸۶۴۰۰۰ میل بڑا ہے۔اور چاند کا تقریباً ۲۱۶۰ میل ہے۔یعنی سورج چاند سے چار سو گنا بڑا ہے،لیکن چاند سورج کی نسبت زمین سے چار سو گنا قریب ہے۔چاند کے اس قرب اور اپنے مدار میں گردش کی کیفیت کی بنا پر گہن ہوتا ہے۔چاند کا اپنا حجم گھٹتا بڑھتا نہیں، بلکہ اس کا نصف کرہ جو سورج کے مقابل ہوتا ہے اتنا ہمیشہ سورج کی روشنی سے منور رہتا ہے۔لیکن اس کے مدار کا زاویہ زمین سے مختلف ہونے کے سبب جس قدر حصہ روشن دکھائی دیتا ہے اتنا ہی چاند محسوس ہوتا ہے، ہر روز روشن حصہ نسبۃً زیادہ دکھائی دیتا ہے یہاں تک کہ چودھویں شب کو پورا روشن کرہ زمین کے مقابل ہوتا ہے اور صاف نظر آتا ہے۔اس کے بعد رفتہ رفتہ گھٹنا شروع ہوتا ہے تا آنکہ ۲۷ رویں شب کے بعد اس کا روشن حصہ پورا سورج کی طرف ہوتا ہے اور تاریک حصہ زمین کی طرف جس کے نتیجہ میں چاند زمین سے بالکل نظر نہیں آتا۔اسی تقاطع (Transite) کو نیا چاند یا Moon Birth کہتے ہیں۔

سورج کو پورا گہن تو اس وقت لگتا ہے جب کہ نیا چاند اپنے مدار میں گردش کرتے ہوئے سورج کے کرے کو پورے طور پر ڈھک لیتا ہے جس کی وجہ سے سورج کی روشنی زمین پر نہیں پڑ پاتی۔اوسطاً ہر اٹھارہ ماہ کے بعد ٹوٹل سورج گہن زمین کے کسی نہ کسی خطہ میں ہوتا ہے۔

جزوی سورج گہن Partial Solar eclipse: اس وقت ہوتا ہے جب کہ چاند کا جزوی سایہ کسی خطہ پر پڑتا ہے۔لہٰذا وہاں سورج کا کچھ حصہ نظر آتا ہے، باقی حصہ نظر نہیں آتا۔

حلقی سورج گہن (Annular Solar eclipse)،: یہ نادر قسم کا گہن ہے۔چانداس طرح اپنے مدار سے گزرتا ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے سورج کے مقابل بالکل بیچ میں ہوتا ہے لیکن پورے سورج کو نہیں ڈھکتا، بلکہ سورج کا درمیانی حصہ ڈھکا ہوتا ہے اور اس کے گولے کا کنارا روشنی یا آگ کے ایک گول دائرے کی

مانند نظر آتا ہے۔ یہ چاند پورے سورج کو ڈھک نہیں پاتا اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین سے اس کی دوری گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ایسا گہن ۱۲منٹ ۳۰سکنڈ تک رہ سکتا ہے۔

مرکب سورج گہن (Hybrid Solar eclipse): یہ گہن سورج کے بیچ کرہ میں شروع ہوتا ہے پھر بڑھتے بڑھتے پورے سورج کو ڈھک لیتا ہے، پھر واپس کم ہوکر ایک کرے کے انداز میں ختم ہوجاتا ہے۔

تمام قسم کے گہن میں ۲۸ فیصد کلی، ۳۵ فیصد جزوی، ۳۲ فیصد حلقی اور ۵ فیصد ہائبرڈ یعنی مرکب ہوتا ہے۔

گہن ہر نئے چاند پر نہیں ہوتا کیونکہ چاند کا مدار زمین کے مدار سے ۵ ڈگری منحنی ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے چاند کا سایہ عموماً زمین کی اوپری یا نچلی فضا سے ہوکر گزر جاتا ہے۔تو زمین پر سورج گہن نہیں ہوتا۔لیکن سال میں اوسطاً دو سے پانچ بار ایسا ہوتا ہے کہ نیا چاند سورج کے مقابل آجاتا ہے۔اور چاند کی زمین سے دوری اور زمین کی سورج سے دوری کے مطابق مختلف قسم کے گہن زمین کے کسی نہ کسی خطے پر دیکھنے کو ملتے ہیں۔لیکن سورج گہن ہمیشہ نئے چاند سے ہوگا۔

ماہرین کے حساب کے مطابق اگلا سورج گہن یکم ستمبر ۲۰۱٦ کو عالمی وقت کے مطابق صبح ۹ ربج کر سات منٹ پر ہوگا۔ جسے افریقہ کے اکثر حصے میں دیکھا جاسکتا ہے، نیز جنوبی جزیرۃ العرب اور بحر ہند کے ایک بڑے خطے کو محیط ہوگا۔ اس کے بعد کا سورج گہن جو ۲۱ راگست ۲۰۱۷ کو ہونے والا ہے جو شمالی امریکہ سے نظر آئے گا۔

سورج گہن سے حفاظتی تدابیر: ان حالات میں سورج پر سیدھی نگاہ نہیں ڈالی جاتی۔ کہا جاتا ہے کہ سیدھی نگاہ ڈالنے سے بندہ بینائی سے محروم بھی ہوسکتا ہے۔ دراصل سورج مسلسل کچھ غیر مرئی شعاعیں چھوڑتا ہے جو آنکھوں کو نقصان پہنچا سکتی ہیں۔عموماً سورج کو دیکھنے کی ضرورت نہیں رہتی لیکن جب گہن ہوتا ہے تو لوگ دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس لیے اسے دیکھنے کے مختلف طریقے بتائے گئے ہیں جن سے سورج کی زہریلی شعاعیں بلاواسطہ آنکھ کی پتلی تک نہ پہنچیں۔

یہ سب کچھ دور حاضر کے ترقی یافتہ علوم اور ٹکنالوجی سے ثابت ہوا۔

اب دیکھتے ہیں کہ علمائے اسلام نے اس مسئلے کو کیسے حل کرنے کی کوشش کی ہے۔

امام قسطلانی شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ بعض علمائے ہیئت کے نزدیک سورج گہن کچھ نہیں، سوا اس کے کہ چاند ہمارے اور سورج کے درمیان حارج ہوجاتا ہے، سورج کی روشنی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ وہ اپنی سابقہ حالت پر باقی رہتی ہے۔ رہا چاند گہن تو وہ حقیقی ہے کیونکہ اس کی روشنی سورج سے مستفاد ہے، اس میں گہن لگنا اصل میں زمین کا سورج اور چاند کے بیچ حائل ہوجانے سے ہوتا ہے جس سے سورج کی روشنی چاند تک نہیں پہنچتی، لہٰذا چاند گہن واقعۃً چاند کا بے نور ہونا ہے۔لیکن ابن العربی نے یہ کہہ کر اس کو باطل قرار دیا ہے کہ اہل ہیئت تو کہتے ہیں کہ سورج چاند سے کئی گونا بڑا ہے تو چھوٹا بڑے کو کیسے چھپا سکتا ہے؟۔

قسطلانی کی عبارت یہ ہے:

وزعم بعض علماء الهيئة أن كسوف الشمس لاحقيقة له فانها لاتتغير في نفسها وانما القمر يحول بيننا وبينها ونورها باق، وأما كسوف القمر فحقيقة فان ضوءه من ضوء الشمس وكسوفه بحيلولة ظل الارض بين الشمس وبينه بنقطة التقاطع فلايبقى فيه ضوء البتة، فخسوفه ذهاب ضوئه حقيقة اهـ وأبطله ابن العربي بأنهم زعموا أن الشمس أضعاف القمر وكيف يحجب الاصغر الاكبر اذا قابله. (ارشاد السارى كتاب الكسوف ٢/ ٢٥٩)

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اہل ہیئت کے اس نظریہ کو رد کرتی ہے کہ سورج گہن عادی امر ہے اپنے وقت سے آگے پیچھے نہیں ہوسکتی۔ اگر اہل ہیئت کی بات درست ہوتی تو اس میں خوف دلانے کی کیا بات ہوگی؟ یہ تو سمندری مدوجذر کی طرح ہوجائے گی۔ابن العربی اور دیگر علمانے بھی اس کا رد کیا ہے، اس بنیاد پر کہ حضرت ابوموسیٰ

اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ "**فقام فزعاً یخشی أن تکون الساعة** "گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے کہ کہیں قیامت تو نہیں۔ یہ علما فرماتے ہیں کہ اگر کسوف حساب سے ہوتا تو گھبرانے کی کوئی بات نہ تھی، اور نہ ہی اس میں صدقات اور ذکر ودعا کا کوئی معنی ہوتا، کہ حدیث کے ظاہری الفاظ تو یہ بتاتے ہیں کہ گہن خوف دلانے کے لیے ہے اور اس وقت عبادات وصدقات اس امید پر ہے کہ اس وقت جس چیز کا خوف ہے اسے دور کیا جا سکے۔ ابن العربی وغیرہ نے یوں رد کیا ہے کہ اہل ہیئت کہتے ہیں کہ سورج گہن کی حقیقت بس اتنی ہے کہ چاند درمیان میں حائل ہو جاتا ہے حالانکہ یہ لوگ خود کہتے ہیں کہ سورج چاند سے کئی گونا بڑا ہے تو چھوٹا بڑے کو کیسے ڈھک دے گا؟ یا بڑا چھوٹے کے سبب کیسے تاریک ہو جائے گا؟ اور زمین سورج کی روشنی کو کیسے روک دے گی حالانکہ زمین تو سورج سے بس ایک کونے میں ہے۔ کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ سورج زمین سے نوے گنا بڑا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت میں سورج گہن کا ایک سبب اس کے علاوہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ یہ کہ "**وانّ الله اذا تجلّٰی لشيء من خلقه خشع له**" یعنی اللہ تعالیٰ جب کسی مخلوق پر تجلی فرماتا ہے تو وہ ماند پڑ جاتا ہے۔ امام غزالی اس پر فرماتے ہیں کہ یہ زیادت ثابت نہیں، لہٰذا راوی کی تغلیط کرنی چاہیے، اور ثابت ہو بھی تو اس کی تاویل کرنا بہتر ہے ایسے یقینی امور کا انکار کرنے سے جو شریعت کے خلاف بھی نہیں۔ اس پر ابن بزیزہ نے کہا: یہ عجیب بات ہے، فلاسفہ کا دعوی تسلیم کر کے یہ کہنا کہ یہ شریعت سے متصادم نہیں، حالانکہ یہ سب اس پر مبنی ہے کہ دنیا کرہ کی شکل میں ہے اور ظاہر شرع اس کے خلاف بتاتی ہے۔ اور قواعد شرع سے ثابت ہے کہ کسوف ارادہ قدیمہ کا اثر ہے اور فاعل مختار کا فعل ہے، وہ جب چاہے بلا سبب ان دونوں گولوں میں روشنی پیدا کرے اور جب چاہے تاریکی پیدا کرے۔ جس حدیث کو امام غزالی نے رد کیا ہے اسے تو بہت اہل علم نے ثابت قرار دیا ہے۔ اور معنی بھی ثابت ہے کہ روشنی تو جمال حسی کا حصہ ہے تو جب جلالی صفت ظاہر ہوتی ہے تو انوار اس کی ہیبت سے بجھ جاتے ہیں۔ اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے "جب اس کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اسے چور چور کر دیا"۔

فتح الباری کی عبارت یہ ہے:

فیه رد علی من یزعم من أهل الهیئة أن الکسوف أمر عادي لایتأخر ولایتقدم اذ لو کان کما یقولون لم یکن في ذلک تخویف ویصیر بمنزلة الجزر والمد في البحر وقد رد ذلک علیهم بن العربي وغیر واحد من اهل العلم بما في حدیث أبي موسی الآتي حیث قال فقام فزعاً یخشی أن تکون الساعة قالوا فلو کان الکسوف بالحساب لم یقع الفزع ولو کان بالحساب لم یکن للامر بالعتق والصدقة والصلاة والذکر معنًی الی آخره (۵۳۷/۲)

لیکن امام ابن دقیق العید نے ان سب اشکالات کا جواب یوں دیا ہے: بعض لوگوں کا یہ سمجھنا کہ علم الحساب کا قول تخویف کے منافی ہے غلط ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ افعال حسب عادت ہیں کچھ خارج عادت ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر سبب پر حاوی ہے، وہ چاہے تو اسباب ومسببات میں سے جسے چاہے ایک دوسرے سے جدا کر دے۔ تو اہل اللہ اللہ کی قدرت عامہ پر یقین رکھنے کے سبب جب دیکھتے ہیں کہ کوئی امر عجیب واقع ہوا تو خوف الٰہی جاگ جاتا ہے، یہ اس کے منافی نہیں کہ وہاں کچھ اسباب ہوں جن پر عادت جاری ہو جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو روک نہ دے۔ خلاصہ یہ کہ اہل حساب جو کچھ کہتے ہیں اگر واقعۃً درست ہو تو بھی بندوں کو خوف دلانے کا عنصر ختم نہیں ہو جاتا۔ فتح الباری میں یوں ہے:

وقال بن دقیق العید ربّما یعتقد بعضهم أنَّ الذي یذکره أهل الحساب یُنافي قوله یُخوِّف اللّٰهُ بهما عباده ولیس بشيء لأن لله أفعالاً علی حسب العادة وأفعالاً خارجة عن ذلک وقدرته حاکمة علی کل سبب فله أن یقتطع ما یشاء من الاسباب والمسببات بعضها عن بعض واذا ثبت ذلک فالعلماء بالله لقوَّة اعتقادهم في عموم قدرته علی خرق العادة وأنه یفعل مایشاء اذا وقع شيء غریب حدث عندهم الخوف لقوّة ذلک الاعتقاد وذلک لایمنع أن یکون هناک اسباب

تجري عليها العادة الى أن يشاء الله خرقها وحاصله أنّ الذي يذكره أهل الحساب ان كان حقاً في نفس الامر لايُنافي كون ذلک مخوفاً لعباد الله تعالىٰ. (فتح الباري باب يخوف الله عباده بالكسوف ۲/۷۵۳)

امام تاج الدین سبکی فرماتے ہیں: جو امام غزالی نے فرمایا درست ہے مگر حدیث ''ان اللہ تعالیٰ اذا تجلی لشئ من خلقہ خشع لہ'' کا انکار اچھا نہیں۔ کیوں کہ یہ تو نسائی وغیرہ کتب حدیث میں مروی ہے اور اس کی تاویل ظاہر ہے۔ تو اس میں کیا بعد ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں ہی گہن کو طے کردے اور اسے ٹھیک اس وقت رکھا جب کہ زمین سورج اور چاند کے بیچ ہو اور چاند کا گولا سورج اور دیکھنے والے کے مابین حائل ہو جائے۔ اور اسی وقت رب ذوالجلال کی اس پر تجلی بھی ہو۔ تو یہ تجلی ہی کسوف کا اصل سبب ہے، عادت ہے کہ یہ اسی وقت ہوتا ہے جب زمین بیچ میں آجاتی ہے اور چاند کا جرم رک جاتا ہے کوئی اس سے مانع نہیں۔ جب اس پر براہین قطعیہ قائم ہیں تو اس میں قوم سے بحث ونزاع مناسب نہیں۔

قال تاج الدين السبكي ما قاله الامام الغزالي صحيح غير ان انكار حديث ان الله تعالىٰ اذا تجلى لشئ من خلقه خشع له ليس بجيد فانه مروي في النسائي وغيره لكن تاويله ظاهر فاي بعد في أن العالم بالجزئيات ومقدر الكائنات سبحانه يقدر في ازل الآزال فسوٰهما بتوسط الارض بين القمر والشمس ووقوف جرم القمر بين الناظر والشمس ويكون ذلک وقت تجليه سبحانه تعالىٰ لهما فالتجلى سبب لكسوفهما قضت العادة فانه يقارن توسط الارض ووقوف جرم القمر لامانع من ذلک ولاينبغي منازعة القوم فيه اذا دلت عليه براهين قطعية اهـ.

لیکن یہ سبب عادی ہے، موثر حقیقی تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس نے سورج اور چاند کو روشنی عطا کی، ان کی روشنی کے اسباب بنائے، جب چاہے ان سے روشنی چھین لے اور اس کو بھی ان کے اسباب سے متعلق فرمادے۔ جب چاہے اسباب کو معطل فرما کر بلا کسی سبب کے کسی کو روشن یا تاریک کردے۔ قرآن کی رو سے سورج اور چاند گہن قرب قیامت کی نشانی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فاذا برق البصر وخسف القمر وجمع الشمس والقمر. جب نگاہ چکاچوند ہو جائے اور چاند کو گہن لگے اور سورج اور چاند اکٹھا ہو جائیں۔

بہر کیف! مذکورہ حساب اور نظام کی بنا پر یہ کہنا کہ اس میں تخویف کا کیا معنی ہے؟ نظام الٰہی اور قدرت الٰہی سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے پورے نظام کو اسباب ومسببات سے جوڑ دیا ہے۔ تو کیا کسی سے خوف نہیں ہوتا۔ بلکہ انسان جب امور کا عادی ہوتا ہے ان سے خوف نہیں کرتا اور جب کوئی چیز ذرا عادت کے خلاف ہوئی گھبرانے لگتا ہے۔ چنانچہ زور کی آندھی آئے، موسلا دھار بارش ہونے لگے، بجلی کی کڑک اور گرج پر کس قدر ڈرتا ہے۔ تو جس نظام کا عادی ہوتا ہے اس میں ذرا تبدیلی اسے ڈرا دیتی ہے۔ اور یہی خوف دلانے کا مفہوم بھی ہے کہ سورج اور چاند کو حاکم نہ مانا جائے بلکہ یہ بھی حکم الٰہی کے تابع ہیں، جب اللہ تعالیٰ چاہے انھیں بے نور اور تاریک کردے۔ اس غیر معمولی تبدیلی سے بندوں کو ڈرنا چاہیے کہ اتنی بڑی بڑی چیزوں میں جب تبدیلی ہوتی ہے تو یہ کمزور انسان پر کیا کچھ ممکن نہیں۔ لہٰذا جب کبھی بندہ سورج یا چاند پر یہ تبدیلی دیکھے تو اسے عبرت حاصل کرتے ہوئے رجوع الی اللہ کرنا چاہیے۔

حضور صدر الشریعہ علیہ الرحمہ نے امام ابن الجوزی کے حوالے سے لکھا ہے کہ سورج گہن میں سات فوائد ہیں: (۱) چاند وسورج میں تصرف کا اظہار۔ (۲) ان دونوں کی پوجا کرنے والوں کی مذمت۔ (۳) غافل دلوں کو بیدار کرنا۔ (۴) قیامت میں ہونے والے واقعات کی ایک مثال دکھانا۔ (۵) عذاب الٰہی کا خوف اور رحمت کی امید۔ (٦) بے گناہ پر عقاب کی صورت کا ظہور (تاکہ گناہگار ڈریں)۔ (۷) فرائض پنج گانہ عام لوگ اس حال میں ادا کرتے ہیں کہ بقیہ صفحہ 15 پر

حضرت مولانا جلال الدین رومی
اور
حضرت شمس تبریزی علیھما الرحمہ

پروفیسر محمد عبدالحمید اکبر۔گلبرگہ یونیورسٹی گلبرگہ

مولانا جلال الدین رومی سلطان العلما مولانا بہاؤالدین کے گھر 604ھ بلق میں پیدا ہوئے۔سپہ سالار نے تاریخ ولادت نہیں دی ہے۔صرف ''درشہور سنہ اربع وستمائیہ'' (۱) مگر افلاکی نے تاریخِ ولادت 6 ربیع الاول 604ھ درج کی ہے۔ (۲) اور اسی پر عام اتفاق ہے۔مولانا روم اپنے والد کے ساتھ جب نیشاپور پہنچے اس وقت اُنکی عمر 6 سال تھی۔ جہاں فریدالدین عطار کی خدمت میں حاضر ہوئے تو شیخ نے اپنی کتاب'' مثنوی اسرار نامہ''انکو عطا کی اور مولانا کے والد سے فرمایا کہ اس جوہر قابل کی نگہداشت کریں۔مولانا روم اپنے ساتھ''اسرار نامے'' کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے۔ یہ کسی دن تمام عالم میں ہل چل ڈال دے گا۔ (۳) ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی بعد کی تربیت اُن کے والد کے مرید خاص سید برہان الدین محقق نے کی۔ 18/19 برس کی عمر میں اپنے والد کے پاس قونیہ آگئے۔ والد کی وفات کے بعد 629ھ میں حلب اور دمشق کا سفر کیا۔حلب میں کمال الدین بن عُدیم حلبی اور بعض دوسرے افاضل سے علم حاصل کئے۔مولانا رومی کی زندگی کا اہم اور غیر معمولی واقعہ شمس تبریز سے اُنکی ملاقات کا ہے۔اس واقعہ کے سلسلے میں بے شمار روایات ہیں لیکن یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ مولانا کے دل میں شمس تبریزی کی عقیدت عشق کی حد تک تھی۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنی غزلیات کا دیوان اپنے اس مرشدِ روحانی کے نام سے مرتب کیا ہے۔مناقب العارفین کی رو سے یہ وقعہ 642ھ کا ہے۔مولانا رومی اور حضرت شمس تبریز کے تعلقات کی تفصیل اُنکے فرزند سلطان ولد کی''مثنوی ولد نامہ'' اور مولانا کے صحبت یافتہ فریدون بن احمد کے رسالہ'' سپہ سالار'' اور افلاکی کی مناقب العارفین میں بیان کئے گئے واقعات صحت اور اعتبار کی گنجائش رکھتے ہیں۔(۴)

حضرت شمس تبریز سوداگروں کی وضع میں سیاحت کرتے تھے۔ سینے میں عشق الٰہی کی آگ شعلۂ رخساں کی طرح اُنہیں بے چین اور مضطرب بنا چکی تھی۔ایک دن اُنہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اے خُدا مجھے کوئی اپنا ایسا بندہ عطا فرما جو میری آگ کا تحمل کر سکے۔اور یہ امانت میں اُسکے سینے میں منتقل کرسکوں۔ یہ دعاء قبول ہوئی اور الہام ہوا کہ روم جاؤ۔اُسی وقت چل کھڑے ہوئے اور قونیہ پہنچ کر چاول فروشوں کے سرائے میں مقیم ہوئے جہاں اُسکے چبوترے پر شہر کے عمائدین اور معززین جمع ہوتے تھے۔اسی مقام پر مولانا رومی اور شمس تبریز کی ملاقات ہوئی۔پھر دونوں بزرگوں کی تنہائیوں میں ملاقاتیں شروع ہوئیں۔بند کمرے میں اُنکی مجلس ہوتی ۔کسی اور کو اجازت نہ تھی۔مولانا رومی کے سینے میں حضرت شمس تبریزی نے کیا آگ بھر دی وہ مثنویِ معنوی کے 6 جلدوں اور غزلیات رومی سے ظاہر ہے۔ (۵)

حضرت مولانا رومی اپنے مرشدِ روحانی حضرت شمس تبریزی کا تعارف ان الفاظ میں فرماتے ہیں :

" المولی الاعفر الداعی الی الخیر خلاصۃ الارواح سر المشکوۃ والزجاجۃ والمصباح، شمس الحق والدین نور اللہ فی الاولین والآخرین o

یعنی وہ آقا و مولیٰ ہیں عزیز ترین شخصیت ہیں، خیر کی طرف بلانے والے، ارواح کا خلاصہ، طاق شیشہ اور

چراغ (یعنی نورِ الٰہی) کا راز ہیں، حق اور دین کے آفتاب (شمس الدین) اور آپ اولین و آخرین میں خدا کے نور ہیں۔'' (۶)

حضرت شمس تبریز شیخ ابوبکر زمبیل باف تبریزی کے مرید تھے۔ بعض محققین کے نزدیک شیخ رُکن الدین سنجامی کے حلقۂ ارادت میں داخل تھے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ شمس تبریزی بابا کمال جُندی کے مرید ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ نے ان تمام شیوخ سے شرف صحبت حاصل کرتے ہوئے ان بزرگوں سے تربیت پائی ہو۔ مولانا شمس تبریزی کے علاوہ شیخ فخر الدین عراقی بھی بابا کمال جُندی کی صحبت سے فیض اُٹھاتے ہوئے جو کچھ کشف اور فتح شیخ عراقی کو ہوتا تھا اُسکو وہ نظم یا نثر میں بیان کر دیتے تھے۔ اور بابا کمال کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے۔ لیکن شمس تبریزی اسکا اظہار نہیں فرماتے تھے۔ ایک دن بابا کمال نے ان سے فرمایا اے شمس تبریز جو اسرار و حقائق فخر الدین عراقی ظاہر کرتے ہیں کیا تم پر ان میں سے کچھ بھی ظاہر نہیں ہوتے؟ اُنہوں نے کہا کہ اے پیرو مرشد مجھ پر تو ان سے زیادہ اسرار منکشف ہوتے ہیں اور بحمد اللہ ان سے بڑھ کر مشاہدہ ہوتا ہے لیکن شیخ عراق اپنے فتوحات، مشاہدات کو چند مصطلحات کے ذریعے اچھی صورت میں ظاہر کر دیتے ہیں۔ جب کہ میں ایسا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ یہ سن کر بابا کمال نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایسا مصاحب (رفیقِ صحبت) نصیب کرے کہ وہ اولین و آخرین کے حقائق و معارف تمہارے نام سے ظاہر کر دے۔ اور حکمت و معارف کے جو چشمے اُس کے دل میں پھوٹتے ہوں اور حرف وصوت کے لباس میں جلوہ گر ہوتے ہوں تمہارے نام پر ہو۔ بابا کمال کی یہ دعاء اشارہ ہے ''دیوانِ شمس تبریز'' جو اصل میں شمس تبریز کے مرید مولانا رومی کا کلام ہے۔ یہ کلیات جو 1494 صفحات پر مشتمل ہے جن میں 42000 ابیات 3360 غزلیں اور 1995 رباعیات شامل ہیں۔ (۷)

مولانا رومی اور مولانا شمس تبریز کی ملاقات کے سلسلے میں بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ مولانا شمس تبریز قونیہ پہنچے اور مولانا رومی کی مجلس میں آئے مولانا ایک حوض کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے اور چند کتابیں آپ کے پاس رکھی ہوئی تھیں حضرت شمس تبریزی نے پوچھا یہ کیسی کتابیں ہیں؟ مولانا نے کہا ان کو قیل وقال کہتے ہیں۔ آپکو اس سے کیا مطلب؟ تم اسکو کیا جانو؟ حضرت شمس تبریزی نے ہاتھ بڑھا اور تما کتابیں اُٹھا کر حوض میں ڈال دیں۔ مولانا بڑے افسوس کے ساتھ کہنے لگے اے دُرویش تم نے یہ کیا کیا؟ ان کتابوں میں سے بعض کتابوں پر میرے والد کے تعلیقات (فوائد) تحریر تھے۔ اب وہ کہاں سے میسر آسکتے ہیں؟ شیخ شمس الدین تبریزی نے پانی میں ہاتھ ڈالا اور کتابوں کو باہر نکال کر رکھ دیا۔ کسی کتاب پر پانی کا اثر نہ تھا۔ یہ منظر دیکھ کر مولانا نے حیرت سے کہا یہ کیا راز ہے؟ حضرت شمس تبریزی نے جواباً فرمایا یہ ذوق و حال ہے اسکو تم کیا جانو۔ اس کے بعد دونوں ایک دوسرے سے ملتے جلتے رہے۔ (۸)

حضرت شمس تبریز کا مولانا رومی پر اثر :

صاحبِ نفحات الانس علامہ عبدالرحمٰن جامی نے شمس تبریزی کا مکمل نام شمس الدین محمد بن علی بن ملِک داد تبریزی لکھا ہے۔ آپ صوفی اور مولانا جلال الدین رومی کے مرشد تھے۔ تبریز میں پیدا ہوئے۔ جہاں آپکے والد بزازی (کپڑا بیچنا) کا کام کرتے تھے۔ بابا کمال جُندی سے اکتسابِ فیض کیا۔ اسکے بعد آپ دُرویش سیاح بن گئے۔ اور 642ھ میں قونیہ پہنچے۔ مولانا رومی پر آپکی پُر جوش شخصیت کا بہت گہرا اثر ہوا۔ مولانا کے شاگرد اس گہری عقیدت مندی کو دیکھ کر جو اُنکے اُستاد کو اپنے مُرشد اور پیارے دوست حضرت شمس تبریز سے پیدا ہو گئی تھی کچھ ناراض سے ہو گئے اور اُنہوں نے شمس تبریز کو شہر چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ کہا یہ جاتا ہے کہ دمشق میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد آپ مولانا کے صاحبزادے سلطان ولد کے ساتھ جنہیں اُنکی تلاش میں بھیجا گیا تھا قونیہ واپس آ گئے۔ ماہِ شوال 643ھ میں آپ پُر اسرار طور پر غائب ہو گئے۔ اِنکے متعلق یہ کہانیاں بالخصوص یورپی مؤرخین کے خیالات کہ اُنہیں حکومت کے کارندوں نے مار ڈالا یا سازشیوں کے کسی گروہ نے قتل

کر ڈالا۔ جسمیں مولانا رومی کا چھوٹا لڑکا علاؤالدین بھی شامل تھا۔ غیر مصدقہ ہیں۔اور معتبر ترین مآخذ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔یعنی ''مثنویات سلطان ولد'' سے اور فریدون بن احمد کے رسالۂ ''سپہ سالار'' سے جسمیں مولانا رومی اور اُنکے جانشینوں کا حال درج ہے۔ یہ رسالہ فارسی زبان میں 720ھ میں لکھا گیا تھا۔(۹)

عہد حاضر کے بعض فاضلین کا خیال ہے کہ شمس تبریزی صر شاعر کے تخیل ہی میں تھے۔اور ظاہر میں ان کا کوئی وجود نہ تھا۔ لیکن اگر ہم سوانح نگاروں کیہ دی ہوئی تاریخوں اور دیگر جزئیات کو فرضی بھی خیال کر لیں پر بھی اس نظریہ کی بنیاد کمزور ہی معلوم ہو تی ہے۔حضرت شمس تبریز کا معاملہ کچھ ایسا نہ تھا جس کی نظیر پیش نہ کی جا سکتی ہو۔شاعر رومی تمجید و تکریم اور بے پناہ گہری عقیدت کے جن خیالات کا اظہار ''دیوانِ شمس تبریز'' میں حضرت شمس تبریزی کے لئے کرتے ہیں اسی طرز کے خیالات کا اظہار مولانا رومی نے اپنی مثنویِ معنوی میں حسام الدین چلپی کے لئے اور اپنے ایک عزیز دوست صلاح الدین زرکوب کے لئے بھی چند غزلیات میں کیا ہے۔جہاں تک زبان کی شہادت کا تعلق ہے مو لانا جلال الدین رومی کے ان تینوں منبع ہائے فیض کی حیثیت یکساں ہے،اور اسی لسانی شہادت کی تاویل معقول تر بنا پر طریق سے بھی ہو سکتی ہے۔جن لوگوں نے DANTE (ڈانٹے) کا مطالعہ کیا ہے اُنہیں یہ بات کچھ عجیب معلوم نہ ہوگی کہ یہ جلیل القدر ایرانی صوفی اپنے گہرے روحانی تعلقات اور ذاتی واردات کو ان الفاظ میں ملبوس کرتے ہیں جو ہمہ اوستی فسلفے کی تر جمانی کرتے ہیں۔(۱۰)

بعض روایات کے بموجب مولانا رومی کے متعلقین حضرت شمس تبریز سے مولانا کے اس پُر شوق تعلق سے ناخوش تھے۔چنانچہ حضرت شمس تبریز جب پہلی مرتبہ روٹھ کر چلے گئے اور واپس لائے گئے تو دوسری مرتبہ رنجش اتنی بڑھی کہ قتل کر دیئے گئے۔مگر یہ روایت درست معلوم نہیں ہوتی۔یہ ہوسکتا ہے کہ 645ھ میں دوبارہ غائب ہوگئے تھے اور ان کا پتہ نہ چلا تھا۔(۱۱)

نفحات الانس میں علامہ عبدالرحمٰن جامی لکھتے ہیں :

''بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت شمس تبریزی مولانا رومی کے والد مولانا بہاؤالدین کے پہلو میں دفن ہیں۔بعض تذکرہ نگاروں کا کہنا ہے کہ قتل کے بعد آپ کے جسدِ مبارک کو کوئیں میں ڈال دیا گیا۔ایک رات مو لانا رومی کے بڑے فرزند سلطان ولد نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شمس تبریزی نے اشارہ کیا ہے کہ میں فلاں کوئیں میں سوتا ہوں۔جب یہ بیدار ہوئے تو چند مُحرِم دوستوں کی مدد سے اُنکے جسدِ مبارک کو کوئیں سے نکال کر مولانا کے مدرسے میں بانی مدرسہ امیر برہان الدین کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔'' (۱۲)

بہر حال یہ واضح ہے کہ شمس تبریز سے تعلق اور جدائی کی بناء پر مو لانا کے دل میں جذبات کی آگ بھڑک اُٹھی۔چنانچہ اسی جذبے نے ان کے دل میں شاعری کا ولولہ بھی پیدا کیا۔شمس تبریز کی جدائی کا اُنہیں جو صدمہ ہوا اسکی کچھ تلافی صلاح الدین زرکوب کی رفاقت سے ہوگئی۔ اور انکی وفات کے بعد حسام الدین چلپی کی صحبت سے ہوئی۔اِنہی حسام الدین چلپی کی ایماء سے مولانا کو مثنوی لکھنے کی تحریک ہوئی۔

شمس تبریز کی جدائی کے بعد مولانا رومی پر سُکر کی کیفیت رہنے لگی۔ایک دن صلاح الدین زرکوب کی دُوکان کے سامنے سے گزر رہے تھے جب کے وہ چاندی کے ورق کوٹ رہے تھے۔مو لانا پر اُنکے چاندی کوٹنے کی آواز نے سماع کا اثر پیدا کر دیا۔وہیں کھڑے ہوگئے اور اُن پر وجد کی حالت طاری ہوگئی تھوڑی دیر بعد صلاح الدین بھی زرکوبی کا شغل چھوڑ کر بغل گیر ہوگئے۔مولانا یہ شعر پڑھ رہے تھے۔ ؎

یکے گنجے پدید آمد ازیں دُکّانِ زرکوبی
اس زرکوبی کی دوکان سے ایک خزانہ مل گیا

زہے صورت زہے معنی زہے خوبی زہے خوبی
عجب صورت عجب معنی عجب خوبی عجب خوبی

دونوں بزرگ کیف وسرور کی حالت میں ظہر سے عصر تک اسی وجد میں مبتلا رہے ۔ اس کے بعد صلاح الدین زرکوبی نے اپنی ساری دوکان لٹادی اور مولانا کے ساتھ ہوگئے ۔اب مولانا کو صلاح الدین زرکوبی کی صحبت میں سکون مُیسر آنے لگا۔622ھ میں جب صلاح الدین کا انتقال ہوگیا تو مولانا نے اپنے مریدِ خاص حضرت حسام الدین چلپی کو اپنا ہمدم اور ہمراز بنالیا۔اوراپنے مرشد کی طرح احترام سے ان کا ذکر کرتے تھے۔ مولانا کو نماز میں اس درجہ استغراق ہوتا کہ بقول سپہ سالار اکثر عشاء کے بعد دو رکعت نفل کی نیت باندھتے تھے اوراسی دو رکعتوں میں صبح کردیتے تھے۔خود مولانا رومی نے اپنی ایک غزل کے مقطع میں اپنی نماز کی استغراقی کیفیت کو کچھ اس طرح بیان کی ہے :

بخدا خبر ندارم چو نماز می گذارم
جب میں نماز پڑھتا ہوں خدا کی قسم مجھے

کہ تمام شد رکوعے اما شد ملانے
یہ نہیں معلوم رہتا کہ رکوع پورا ہو گیا ہے' امام کون ہے

بسا اوقات مولانا پر سُکر کی کیفیت طاری ہوتی تب اُنہیں شریعت کے ظاہری احکام کا کچھ ہوش نہ ہوتا بیٹھے بیٹھے اچانک اُٹھ کھڑے ہوتے اور رقص کرنے لگ جاتے ۔کبھی خاموشی سے کسی ویرانے کی طرف نکل کھڑے ہوتے اور ہفتوں کی تلاش کے بعد مریدوں کو ملتے ۔سماع کی مجلس میں کئی کئی دن مدہوشی کی حالت میں گذرجاتے تھے۔راستہ چلتے وقت کوئی آواز سنائی دیتی تو وہیں وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی سماع کی مجلسوں میں اکثر اپنے زائد کپڑے اُتار کر قوالوں کی نذر کر دیتے تھے۔(۱۳)

حضرت شمس تبریز کے غائب ہو جانے کے بعد مولانا رومی نے دوایک روز ہر طرف آپ کی تلاش کی مگر جب کسی طرح آپ کا کچھ پتہ نہ چلا تو مولانا کی حالت متغیر ہونا شروع ہوئی ،طریق سماع تو آپ پہلے ہی اختیار کر چکے تھے اب یہ حالت ہوئی کہ ایک لمحہ بھی سماع کے بغیر نہیں گزرتا تھا۔ ۔قوال ایک ایک کر کے عاجز ہو گئے مگر مولانا کو سیری نہیں ہوتی تھی۔ مدرسہ میں ٹہلا کرتے تھے اور آشکارا ونہاں شوروفریاد کرتے تھے۔تمام شہر میں غلغلہ پڑ گیا کہ ایسا عالم دین ومفتی اسلام اس طرح سماع ورقص میں دیوانہ وسرگرداں ہو رہا ہے۔ ہرطرف ایک شورش برپا ہوگئی۔لوگوں نے کہنا شروع کردیا کہ مولانا اور مولانا کے اصحاب نے سب کچھ چھوڑ کر صرف عشق اختیار کیا ہے۔بس جو کچھ ہیں تو شمس ہی ہیں ۔سپہ سالار کے الفاظ یہ ہیں کہ :''روز وشب درفراقِ آنحضرت (شمس تبریز) غزلیات می آورند''(۱۴)

بیا اے شمس تبریزی مکن سنگین دل بامن
کہ بے لعل و لئولئو رانمی دانم نمی دانم

یعنی اے میرے مرشد حضرت شمس تبریزی ، میرے ساتھ عنایت کا معاملہ فرمایئے اس لئے کہ آپ کے بغیر ہیرے اور موتی بھی مجھے بےقدر معلوم ہوتے ہیں۔

مولانا روم کے کلام کا سب سے زیادہ شور انگیز اور ولولہ خیز حصہ وہی ہے جو اُس زمانے میں کہا گیا ہے۔آپ کی دردانگیز فراقیہ غزلیں زیادہ تر اسی جُدائی کے زمانے کی ہیں۔اس قسم کی غزلوں سے سارا دیوان بھرا پڑا ہے۔نمونۃً ایک غزل کے چند شعر پیش کئے جاتے ہیں جن سے مولانا کے ہیجان اور اضطرابی کیفیت کا کسی قدر اندازہ کیا جاسکتا ہے :

اے یوسف آخر سوئے ایں یعقوب نا بینا بیا
اے عیسیٰ پنہاں شدہ در طارم بینا بیا

از ہجر روزم قیرشدٗ دل چوں کماں تن تیر شد
یعقوب مسکین پیر شدٗ اے یوسف بر نا بیا

رخ زعراں رنگ آمدمٗ خم دادہ چوں چنگ آمدم
در گورتن تنگ آمدمٗ اے جانِ ما پنہابیا

ای قاب قوسین مقدمت دائے دولت با مکرمت
کس نیست جاناں محرمت در قربِ اُداَولی بیا

اے خسرو مہوش بیا، اے خوشتر از صد خوش بیا
اے آب وائے آتش بیا اے دُردوائے دریا بیا

مخدوم جانم شمس دیں، از جاہت اے روح لا میں
تبریز شد عرش کمیں، از مسجد اقصابیا(۱۵)

حضرت شمس تبریز سے ملاقات کے بعد مولانا رومی نے درس وتدریس اور وعظ گوئی وغیرہ سب کچھ ترک کر دیا۔افلاکی نے '' مناقب العارفین'' میں لکھا ہے کہ حضرت شمس تبریز کی ملاقات کا مولانا رومی پر ایسا کچھ اثر پڑا کہ اس ملاقات کے بعد سے مولانا نے درو تذکیر بالکل ترک کر دی تھی اور کبھی وعظ نہیں کیا تھا۔صرف ایک مرتبہ اپنے محبان خاص اور شیخ صلاح الدین کے اشارے سے وعظ فرمایا۔''وتذکیرآخرخود ہماں بود ،دیگر بر بالائے منبر نرفت۔لیکن یہ معاملہ صرف ترک تک ہی نہیں رہا بلکہ'' اخذ ''کوبھی دخل ہو گیا۔یعنی حضرت شمس تبریز کی ترغیب وتشویق سے مولانا رومی سماع کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس میں مولانا کا انہماک بڑھتا گیا۔(۱۶)

مولانا روم کا یہ بھی قول تھا کہ علمائے ظاہر واقفِ اخبارِ رسول ہیں جبکہ حضرت شمس تبریز واقفِ اسرارِ رسول تھے:

شمس تبریزی توئی واقفِ اسرارِ رسول
نام شیرینِ تو ہر دل شدہ را درماں باد

مثنوی شریف کی تصنیف حضرت شمس تبریز کے غائب ہو جانے کے تیرہ چودہ برس بعد شروع ہوئی ہے۔مگر مولانا کے دل میں حضرت شمس الدین کا خیال اس طرح جاگزیں تھا کہ'' شمس ''کا اشارہ بھی کہیں آ جاتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ بے تاب ہو گئے ہیں۔پہلے دفتر کے ابتداء میں یہ شعر آیا ہے :

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب
گر دلیلت باید ازوے رُوم تاب

ایک لفظ آفتاب کی وجہ سے 32 شعر''شمس'' کی مدح میں لکھ دیے اور آخر میں اس طرح ختم کیا جیسے مجبور ہو کر دل کی بات دل ہی میں رہ گئی ہو :

فتنہ و آشوب و خونریزی مجو
بیش ازیں از شمس تبریزی مگو

دفتر دوم غیبت حضرت شمس سے (17) سال بعد شروع ہوا ہے۔ اس میں بادشاہ کے دو غلاموں کے حکایت کے ضمن میں یہ شعر آیا ہے :

چوں نمی آیند ایں جا کہ منم
کاند ایں غرا آفتابِ روشنم(۱۷)

مولانا رومی کا وصال 5/جمادی الآخری 672ھ م 12/ڈسمبر 1273ء قونیہ میں ہوا۔ جہاں آپ کا مزار آج بھی مرجعِ خاص وعام ہے۔'' مناقب العارفین'' مصنفہ افلاکی کے بموجب مولانا کے سلسلۂ طریقت کو جلالیہ اور مولویہ کہا جاتا ہے۔اس فرقے کی خصوصیت ،سماع اور رقص کا ایک خاص انداز ہے۔سلسلۂ مولویہ کا آغاز دراصل سلطان وَلد (مولانا رومی کے بڑے بیٹے) سے ہوتا ہے۔انہوں نے اس سلسلے کی اولین شاخیں قائم کیں۔اورانہی کی کوششوں سے اس سلسلے کی عزت وتوقیر زیادہ ہوئی۔ (۱۸)

مولانائے روم کی تصنیفات :

(۱) فیہ مافیہ: یہ ان خطوط اور اقوال کا مجموعہ ہے جو مولانائے روم نے وقتاً فوقتاً معین الدین پروانہ کے نام لکھے ہیں۔ان کو مولانا رومی سے والہانہ عقیدت تھی۔

(۲) دیوانِ شمس تبریز:اس میں مولانا رومی کے تقریباً پچاس ہزار اشعار ہیں۔مولانائے روم نے اپنے پیرومرشد کی عقیدت میں اس پورے دیوان کو اپنے مرشدِ روحانی کے نام سے موسوم کیا ہے۔

(۳) مجالسِ سبعہ

(۴) مکتوبات :

(۵) مثنوی شریف:تصوف کے موضوع پر چھ جلدوں میں ہے۔ اشعار کی مجموعی تعداد'' کشف الظنون'' کے حوالے سے 26,660 ہے۔ (۱۹)

شمس تبریزی بہ مولانا بگو
واقفِ اسرارِ یزدانت کنم

مولوی ہر گز نہ شد مولائے روم
تا غلامِ شمس تبریزی نہ شد

نہ اُٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گِل وہی تبریز ہے ساقی

☆ ☆ ☆

حوالہ جات

سلسلہ نمبر	کتاب کا نام	مصنف	صفحہ نمبر	جلد نمبر
(1)	''سوانح عمری مولانا جلال الدین رومی''	از: قاضی تلمذ حسین	31	
(2)	ایضاً			
(3)	''سوانح مولانا روم''	از: مولانا شبلی نعمانی	61	
(4)	''دائرۂ معارف اسلامیہ''	دانش گاہِ پنجاب لاہور 1971ء	324	7
(5)	''معارف شمس تبریز''	مولانا شاہ حکیم محمد اختر	5 - 6	
(6)	''نفحات الانس'' (اُردو)	علامہ جامی، مترجم شمس بریلوی		
(7)	ایضاً	ایضاً	705	
(8)	ایضاً	ایضاً (حاشیہ مترجم)	705	
(9)	ایضاً	ایضاً	704	
(10)	''دائرۂ معارف اسلامیہ''	دانش گاہِ پنجاب، لاہور 1971ء مخزونہ کتب خانہ جامعہ نظامیہ	126-27	6
(11)	ایضاً	ایضاً	127	
(12)	ایضاً	ایضاً	324	
(13)	''نفحات الانس'' (اُردو)	علامہ جامی، مترجم شمس بریلوی	708	
(14)	دیباچہ 'مثنوی مولوی معنوی، دفتر اول	از: مولانا رومی (ترجمہ مولانا قاضی سجاد حسین)	6 - 7	
(15)	''سوانح عمری مولانا جلال الدین رومی''	از: قاضی تلمذ حسین	119	
(16)	ایضاً	ایضاً	120	
(17)	ایضاً	ایضاً	91	
(18)	ایضاً	ایضاً	130-31	
(19)	''دائرۂ معارف اسلامیہ''	دانش گاہِ پنجاب، لاہور 1971ء مخزونہ کتب خانہ جامعہ نظامیہ	325	7
(20)	اظہار المنظوم ترجمہ وشرح مثنوی مولانا روم	مترجم وشارح: حضرت مولانا اظہار اشرف اشرفی الجیلانی سجادہ نشین کچھوچھہ شریف	33	

بنو ہاشم پر زکوٰۃ حرام کیوں؟

(افادات امام احمد رضا) ترتیب وتلخیص: مولانا نوید اختر قادری امجدی۔ بھیونڈی

اللہ رب العزت اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

”خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا“.

ان کے مالوں میں سے صدقہ لو اس کی وجہ سے انھیں پاک اور ستھرا بنادو۔

اس کا صاف مطلب ہے کہ زکاۃ کے ذریعہ ایک مسلمان کا نفس اور اس کا مال پاک ہوتا ہے۔

ہر شخص جانتا ہے کہ زکاۃ اسی وقت ادا ہوگی جب کہ مستحق زکاۃ کو دیدی جائے۔ لہٰذا مستحق زکاۃ کون کون ہے؟ قرآن مقدس نے اس کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ جس کے مطابق سات قسم کے لوگ زکاۃ کے مستحق ہیں: یعنی فقیر، مسکین، عامل، رقاب، غارم، فی سبیل اللہ، ابن السبیل۔ لیکن ان تمام کے لیے ایک مشترکہ شرط یہ بھی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ہاشمی نہ ہو۔ ان میں ہر ایک کی تفصیل میں مفسرین اور فقہا نے خاصی تفصیل کی ہے جسے کتب تفسیر وفقہ میں دیکھا جاسکتا ہے۔ سردست ہمارا موضوع یہ ہے کہ ہاشمی اگر چہ فقیر یا مسکین ہو اس کو زکاۃ کیوں نہیں دے سکتے، اور ان کے لیے اس کا بدل کیا ہوگا؟ ہم ذیل میں امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کے فتاویٰ سے اخذ کر کے اس مسئلہ کو واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں:

ہاشمی یعنی اہل بیت اطہار کو نہ زکوٰۃ دینا جائز نہ ان کا لینا حلال۔ بلکہ اس پر چاروں مذاہب کے ائمہ کا اجماع قائم ہے۔ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ میزان میں فرماتے ہیں کہ ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ فرض صدقات بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب پر حرام ہیں، اور یہ پانچ خانوادے ہیں: آل علی، آل عباس، آل جعفر، آل عقیل، آل حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اس کی حرمت متواتر حدیثوں سے ثابت ہے۔ بیس سے زائد صحابہ کرام نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس بارے میں حدیثیں روایت کی ہیں۔

اور اس کی وجہ ان حضرات کی عزت وکرامت، نظافت وطہارت ہے۔ ظاہر ہے زکوٰۃ تو مال کا میل اور گناہوں کا دھوون ہے، لہٰذا اس ستھری نسل والوں کے قابل نہیں۔ خود رسول گرامی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

”مطلب بن ربیعہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ صدقہ آل رسول کے لیے جائز نہیں، کیوں کہ یہ لوگوں کے مال کا میل ہے، ایک حدیث مبارک میں اپنے اہل بیت کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارے لیے صدقات میں سے کوئی چیز حلال نہیں، اور نہ ہی لوگوں کے ہاتھ کا میل۔

مذکورہ دونوں حدیثوں میں یہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا کہ اہل بیت کے لیے زکوٰۃ وصدقات واجبہ دونوں حرام ہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ مال کا میل ہے اور تمام صدقات واجبہ کی طرح گناہوں کو دھوکر دور کردیتی ہے۔ تو اس کا حال مائے مستعمل کی طرح ہے جو گناہوں کی نجاست اور حدث کی گندگی دھوکر لایا، ان پاک لطیف ستھرے اہل بیت اطہار کی شان اس سے بہت ارفع واعلیٰ ہے کہ ایسی چیزوں سے خود کو آلودہ کریں۔ اہل بیت اطہار کے لیے زکوٰۃ کو ماء مستعمل کی طرح فرمایا، جو خود تو پاک ہے مگر کسی کو پاک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہ علت تغیر زمانہ سے بدلنے والی نہیں۔ تو یہ حکم ہمیشہ کے لیے باقی ہے۔ حتیٰ کہ جمہور علمائے کرام تو بنو ہاشم کے لیے مال زکاۃ سے بحیثیت عامل علی الصدقات عمل کی اجرت لینا بھی ناجائز ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ یہ اجرت مال داروں کے لیے جائز ہے۔ کیونکہ اگر چہ وہ اجرت من کل الوجوہ زکاۃ نہیں لیکن شبہ زکاۃ ہے اور

بنو ہاشم کی جلالت شان کا تقاضا ہے کہ شبہہ زکاۃ میں بھی ملوث نہ ہوں۔ بلکہ محیط اور بحر وغیرہ میں ہے کہ زکاۃ کسی ہاشمی کے مکاتب غلام کو بھی جائز نہیں، حالانکہ غنی کے مکاتب غلام کے لیے جائز ہے۔ وجہ وہی ہے کہ مکاتب کی ملکیت ایک طرح سے مالک کی ملکیت ہوتی ہے اور اس مسئلہ میں مشابہت بھی حقیقت کی طرح ہے۔

فقرائے بنو ہاشم کے لیے رزق کا ذریعہ:

اللہ نے اہل بیت اطہار کے لیے زکوٰۃ لینا حرام فرمایا تو ان کے لیے خمس الخمس کو رزق کا ذریعہ بنا دیا۔ خمس الخمس کیا ہے؟ اس کی مختصر کیفیت ملاحظہ فرمائیں:

جہاد میں جو مال کفار سے حاصل ہوتا ہے وہ مال غنیمت ہے، مال غنیمت کے پانچ حصے کیے جاتے تھے، ان میں چار حصے مجاہدین کے اور پانچویں حصہ کی پھر پانچ جگہ تقسیم ہوتی ہے۔ ایک حصہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا، ایک حضور کے قرابت داروں کا اور باقی تین حصے فقرا و مساکین اور مسافروں پر صرف ہوتے تھے، جو حصہ حضور کے قرابت داروں یعنی بنو ہاشم کے لیے ہوتا تھا اسی کو خمس الخمس کہتے ہیں۔ یہ آیت کریمہ ''وَاعْلَمُوْا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ'' سے ماخوذ ہے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال پاک کے بعد خمس الخمس سے آپ کا حصہ ساقط ہو گیا لہٰذا آپ کے قرابت داروں کا حصہ بھی ختم ہو گیا۔ لہٰذا مال غنیمت کا پانچواں حصہ اب صرف تین حصوں میں تقسیم ہو سکتا ہے، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر۔ خلفائے راشدین اپنے اپنے زمانۂ پاک میں اسی طرح تقسیم فرماتے، یہی مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ (ملخصاً تفسیر نعیمی، خزائن العرفان، نور العرفان)

مگر یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لی جائے کہ ایسا ہرگز نہیں کہ اہل بیت اطہار کو خمس الخمس دیے جانے کی وجہ سے زکوٰۃ ان پر حرام کی گئی، نہیں۔ بلکہ اگر انھیں خمس الخمس نہ بھی دیا جاتا تب بھی زکوٰۃ ان پر حرام ہی ہوتی۔

محدث ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے خصیف سے اور انھوں نے مجاہد سے روایت کیا کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آل کے لیے صدقہ حلال نہ تھا، لہٰذا ان کے لیے خمس الخمس رکھا گیا، مذکورہ روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اہل بیت اطہار کو زکوۃ کے عوض خمس الخمس دیا گیا، بلا شبہ یہی مطلب ہے، لیکن خمس الخمس کے سقوط سے اہل بیت کرام کے لیے زکوٰۃ جائز نہیں ہو جاتی، بلکہ اب بھی ان کے لیے زکوٰۃ حلال نہیں۔ لیکن اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ خمس الخمس جب ساقط ہو گیا تو زکوٰۃ حلال ہو جانی چاہیے کہ انھیں خمس الخمس دیا ہی گیا تھا زکوٰۃ کے عوض، لہٰذا اب جب کہ خمس الخمس ہی نہ رہا تو زکوٰۃ کی حرمت ختم ہو جانی چاہیے۔

اس سلسلہ میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے ایک قاعدہ بیان فرمایا کہ ''سقوط عوض سے رجوع معوض وہیں ہے جہاں زوال معوض حصول عوض پر موقوف ہو''، اس قاعدہ کا مطلب یہ ہے کہ عوض ساقط ہونے کی صورت میں معوض (وہ مال جس کا وہ عوض تھا) صرف ان جگہوں پر واپس ملے گا جہاں عوض کے حصول پر معوض کا زوال موقوف ہو، جیسا کہ خرید و فروخت میں ہوا کرتا ہے کہ خریدار رقم دے کر اس کے عوض سامان چاہتا ہے، لیکن اگر اس رقم کے بدلے اسے سامان نہ ملے تو خریدار اپنی رقم واپس لے سکتا ہے۔ لیکن اگر معوض کا زوال کسی اور علت سے ہو تو جب تک وہ علت باقی رہے گی معوض واپس نہ آئے گا۔ جیسے کسی مریض سے کسی تکلیف کی بنیاد پر وضو کی فرضیت ساقط ہو جائے تو اس کے لیے تیمّم کا حکم ہے، لیکن تیمّم کے لیے پاک مٹی بھی نہ ملے تو وضو کی فرضیت لوٹ کر نہیں آئے گی۔

اہل بیت اطہار پر زکوٰۃ جو حرام کی گئی اس کی علت ان کی کرامت و بزرگی ہے، نہ کہ خمس الخمس کی وجہ سے ان پر زکوٰۃ حرام کی گئی، جیسا کہ احادیث کثیرہ سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اہل بیت اطہار کو زکوۃ سے جو منع فرمایا اس کی وجہ یہ بیان کی کہ یہ لوگوں کے مال کا میل کچیل ہے، یہ نہ بیان کیا کہ اے اہل بیت تمھیں خمس الخمس دیا جا رہا ہے اس لیے زکوٰۃ لینا تمھارے لیے

جائز نہیں، نہیں بلکہ اب بھی حرام ہی ہے، اور اس سلسلہ میں علما کی تصریحات کثرت سے موجود ہیں، اسی پر امام طحاوی علیہ الرحمہ کا بھی عمل ہے اور یہی امام ابو یوسف و محمد اور امام اعظم کا بھی مسلک ہے۔

اس سلسلہ میں امام طحاوی علیہ الرحمہ نے حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی متعدد سندوں سے چودہ روایتیں تخریج کرنے کے بعد واضح انداز بیان میں فرمادیا کہ بنی ہاشم پر صدقہ حرام ہے، بلکہ ان کے فقرا بعینہ حکم اغنیا رکھتے ہیں، جو اغنیا کے لیے جائز ہے انھیں بھی جائز ہے اور جو اغنیا کے لیے جائز نہیں انھیں بھی روا نہیں۔

بلکہ صدقات کو بنو ہاشم پر حرام قرار دینا اور مال غنیمت کا خمس الخمس انھیں دینا دونوں ان کی مستقل کرامت و اعزاز ہے۔

پھر غریب سادات کرام کی خدمت کیسے ہو؟

اس سلسلے میں بڑا اہم سوال یہ ہے کہ بنو ہاشم کے لیے خمس الخمس ساقط ہو گیا اور زکاۃ وہ لے نہیں سکتے تو جو بنو ہاشم غریب ہوں ان کا کام کیسے چلے؟ امام احمد رضا قدس سرہ العزیز نے اس بارے میں دو طریقوں کی طرف رہنمائی فرمائی۔ اول مال داروں کے لیے کہ خود اپنے مال سے ان کی خدمت کریں۔ دوم متوسط طبقے کے لیے کہ حیلہ شرعیہ کریں۔ دونوں طریقوں کو تفصیل سے بیان فرمایا جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

ہم تمام مسلمان اپنے آقا و مولیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور ان کے اہل بیت کے غلام ہیں۔ ہم مسلمانوں کو صدقات کے علاوہ خود اپنی حلال کمائی سے ان کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھنا چاہیے۔ میدان محشر کا وہ وقت یاد کیا جائے جب ہمارا کوئی پرسان حال نہ ہوگا ،ان حضرات کے جد اعلیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی ہمارے کام آئیں گے۔ وہی شفیع محشر ہوں گے۔ دولت انھیں کے در سے ملتی ہے، مال و زر انھیں کے طفیل ہمیں عطا کیا گیا ہے، کیا یہ ہمارے لیے اچھا نہیں کہ اس مال کا کچھ حصہ ان کے شہزادوں کی خدمت میں خرچ ہو۔ آخر ان تمام مال و زر کو چھوڑ کر بالکل نہتے ایک سادہ سے کفن میں لپٹے ہمیں قبر میں جانا ہے اور قبر میں بھی روشنی کا سامان انھیں حضرات کے جد کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روئے زیبا سے ہونا ہے۔ اس مقام پر فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کے کلمات بڑے بڑے موثر ہیں۔ مال داروں کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''وہ مال جو انھیں کے صدقے میں انھیں کی سرکار سے عطا ہوا جسے عنقریب چھوڑ کر ویسے ہی خالی ہاتھ زیر زمین جانے والے ہیں ان کی خوشنودی کے لیے ان کے پاک بیٹوں پر اس کا ایک حصہ صرف کیا کریں کہ اس سخت حاجت کے دن (قیامت کا دن) اس جواد و کریم ، رؤف و رحیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کے بھاری انعاموں عظیم اکراموں سے مشرف ہوں''۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۰/۳۰ص ۱۰۵)

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''من صنع الى أهل بيتي يدا كافاته عليها يوم القيامة ''.(كنز العمال بحواله ابن عساكر)

ترجمہ:۔ جو میرے اہل بیت میں سے کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا میں روز قیامت اس کا صلہ اس کو عطا کروں گا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''من صنع صنيعة الى احد من خلف عبدالمطلب فى الدنيا فعليَّ مكافته اذا لقيني''.

ترجمہ:۔ جو شخص اولاد عبدالمطلب میں سے کسی کے ساتھ دنیا میں نیکی کرے اس کا صلہ دینا مجھ پر لازم ہے جب وہ روز قیامت مجھ سے ملے گا۔ (تاریخ بغدادی)

سبحان اللہ کتنا پیارا وعدہ ہے کہ بروز قیامت جب کہ خونی رشتہ دار منھ چھپائیں گے، بھاگیں گے، نظر چرائیں گے، اس ہولنا کیوں والے دن میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنا دیدار بھی عطا فرمائیں گے اور اپنا وعدہ بھی پورا فرمائیں گے، اور نہ جانے کیسی کیسی عنایتیں ہوں ،کیا کیا نوازشیں ہوں وہ جانیں ان کا رب جانے، ہم تو بس اتنا جانتے ہیں کہ اس در کا قطرہ بھی دریاؤں کو سیرابی عطا کر سکتا ہے۔

(اس کی پوری تفصیل فتاویٰ رضویہ چہارم صفحہ ۴۷۸ تا ۴۹۱ پر موجود ہے۔)

تعلیمی مسائل

قسط دوم

علوم اسلامیہ اور علوم عصریہ کا امتزاج

مولانا طارق انور مصباحی (کیرلا)

گلہائے رنگارنگ سے زینت چمن کی ہے
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

(۱) کیا دینی تعلیمات کے ساتھ علوم عصریہ کی تعلیم بھی ضروری ہے؟

(۲) کیا مدارس اسلامیہ کے قدیم نصاب ونظام میں تبدیلی آنی چاہئے؟

اس طرح کے سوالوں کا جواب یہ ہے کہ قدیم نظام تعلیم زمانہ ماضی کے اعتبار سے بالکل صحیح ومفید تھا لیکن وہ عہد حاضر کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا، اس لیے اس میں ترمیم وتبدیلی اور حذف واضافہ کرنا ہمارے لیے زیادہ مفید ہے۔ جس طرح قدیم طرز تعلیم سے عصری تقاضوں کی تکمیل نہیں ہوتی - اسی طرح قدیم مفکرین کے اقوال سے استناد مناسب نہیں۔

(۱) ہندوپاک کے مدارس میں داخل نصاب، عقائد اسلامیہ کی مشہور ترین منفرد کتاب ''شرح العقائد النسفیہ'' میں علامہ سعد الدین تفتازانی (۷۲۲ھ-۷۹۲ھ) نے تحریر فرمایا۔

﴿اَلرِّسَالَةُ وَهِيَ سَفَارَةُ الْعَبْدِ بَيْنَ اللّٰهِ وَبَيْنَ ذَوِي الْاَلْبَابِ مِنْ خَلِيْقَتِهٖ لِيُزِيْحَ بِهَا عِلَلَهُمْ فِيْمَا قَصَرَتْ عَنْهُ عُقُوْلُهُمْ مِنْ مَصَالِحِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾

(شرح العقائد النسفیہ ص۱۳۲)

یعنی رسالت یہ ہے کہ بندۂ مخصوص اللہ تعالیٰ اور اس کے باشعور بندوں کے درمیان دنیاوی اور اخروی مصلحتوں سے متعلق سفارت کاری کرے تاکہ وہ بندگان خدا کی ان برائیوں کو دور کرسکے، جن کو سمجھنے سے ان بندوں کی عقلیں قاصر ہیں۔

(۲) امام نجم الدین نسفی (۴۶۱ھ-۵۳۷ھ) نے لکھا- ''وَقَدْ اَرْسَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى رُسُلًا مِنَ الْبَشَرِ اِلَى الْبَشَرِ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَمُبَيِّنِيْنَ لِلنَّاسِ مَا يَحْتَاجُوْنَ اِلَيْهِ مِنْ اُمُوْرِ الدُّنْيَا وَالدِّيْنِ'' (شرح العقائد النسفیہ ص۱۳۳)

یعنی اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں سے کچھ کو (اہل ایمان واہل طاعت کو جنت اور ثواب کی) خوشخبری سنانے والے اور (اہل کفر اور گنہگاروں کو جہنم اور عذاب سے) ڈرانے والے- اور ان کے دین اور دنیا سے متعلق ضرورت والے امور کو بیان کرنے والے بنا کر بھیجا ہے (یعنی رسول بنایا ہے)

(۳) شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (۱۱۵۹ھ-۱۲۳۹ھ) نے لکھا- ''فِي النَّبِيِّ مَصَالِحُ لَا تُحْصٰى''

(میزان العقائد مع شرح العقائد النسفیہ ص۱۸۵)

یعنی نبی (کے بھیجنے) میں بے شمار مصلحتیں ہیں۔

المختصر حضرات انبیاء کرام ومرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام، دین کی بات بھی بتائیں گے اور دنیا کی باتیں بھی وہی بتائیں گے۔ نبی ورسول صرف دین بتانے کیلئے نہیں آئے بلکہ رب تعالیٰ کے بندوں کو جن جن چیزوں کی ضرورت تھی، وہ تمام باتیں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ بتادی گئیں۔ پس جو نبی کا نائب ہو، انہیں بھی دینی علم کے ساتھ دنیاوی علوم کی بھی جانکاری ہوتا کہ وہ قوم کی ہر طرح کی قیادت ورہنمائی کرسکے، مذہبی رہنمائی ہو یا سیاسی رہنمائی، سماجی قیادت ہو یا اقتصادی قیادت - تاکہ وہ امت مسلمہ کیلئے مرجع ومرکز بن جائے اور لوگوں کو اعمال صالحہ وعقائد حقہ کی جانب راغب کرسکے اور اہل اسلام کو اسلامی احکام کا متبع بنا سکے۔

(۴) ہندوستان میں اہل سنت و جماعت کی عظیم تعلیم گاہ ''الجامعۃ الاشرفیہ'' (مجوزہ عربک یونیورسٹی) مبارکپور کے بانی حافظ ملت علامہ حافظ عبدالعزیز محدث مرادآبادی (۱۸۹۴ء-۱۹۷۶ء) نے ۱۹۷۲ء میں الجامعۃ الاشرفیہ کی نشاۃ جدیدہ کے بعد نصاب تعلیم میں دینیات کے ساتھ عصری تعلیمات کو بھی شامل کیا اور اسی مقصد کی تکمیل کے لئے جناب آفتاب احمد خاں عزیزی ایم اے ،بی ایڈ لیکچرر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کو مبارکپور بلالیا۔ یہ بات خود ماسٹر آفتاب احمد خاں عزیزی نے کلاس روم میں ہم لوگوں سے بیان کیا تھا۔بعض عصری مضامین مثلاً انگریزی ،حساب ،تاریخ وغیرہ داخل نصاب بھی کئے گئے ،لیکن حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کو تعمیری مشاغل سے اتنی فرصت میسر نہ آسکی کہ تعلیمی امور کی جانب مکمل طور پر مائل ہوسکیں، پھر قصبہ مبارکپور سے باہر جامعہ اشرفیہ کی تعمیر جدید کے بعد انہیں زیادہ مہلت نہ مل سکی ۔قریباً چار سال کے اندر ہی وہ واصل الی اللہ ہوگئے ۔جزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء- آمین

(۵) ہندوستان میں مسلمانان اہل سنت کے اعتقادی وعلمی مرکز خانقاہ عالیہ رضویہ کی جانب سے قائم کردہ تعلیم گاہ ''جامعہ دراسات الرضا'' بریلی شریف میں دینی و دنیوی مخلوط تعلیم کا نظم ہے جیسا کہ اس ادارہ کے مطبوعہ پراسپیکٹس (Prospectus) میں صراحت ہے ،اس میں نصاب تعلیم کا خاکہ بھی مرقوم ہے۔ پھر دیگر بڑی تعلیم گاہوں میں یہ نظام کیوں نہیں رائج کیا جاتا؟ تعجب ہے اورافسوس بھی۔

(۶) اسلام کے قرون اولیٰ کی طرف نظر دوڑائیں ۔حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین ، طریقت کے شیخ ،شریعت اسلامیہ کے مفتی اور سلطنت وحکومت کے انتظام وانصرام کے اعتبار سے مسلمانوں کے بادشاہ ہوا کرتے تھے۔میدان جہاد میں مسلمانوں کا سپہ سالار، سالار ہونے کے ساتھ ساتھ مذہبی پیشوا اور نمازوں کا امام بھی ہوتا تھا۔

(۷) خلافت عباسیہ کے عہد وسطیٰ سے تفریق شروع ہوئی ۔مذہبی امور کیلئے ''شیخ الاسلام'' کا ایک عہدہ وضع کیا گیا۔خلیفۃ المسلمین مسلمانوں کے سیاسی رہنما ہوتے اور شیخ الاسلام مذہبی قائد اعظم ۔اس تفریق کا نتیجہ یہ نکلا کہ علماء دین رفتہ رفتہ سیاسی وملکی امور سے دور ہونے لگے۔امراء وحکام روز بروز دین وشریعت سے غافل ہوتے گئے اور اسلام یوماً فیوماً زوال پذیر ہوتا گیا، یہاں تک کہ خلافت عثمانیہ ترکیہ کے عہد اخیر میں کچھ ایسے حضرات ،حکومت اسلامیہ کے ذمے دار عہدوں پر فائز ہوئے جو یوروپ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے آئے تھے۔انہیں نہ دین کا علم تھا، نہ ہی دین سے محبت ۔انہوں نے نصف دنیا پر حکومت کرتی ہوئی خلافت عثمانیہ کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا۔

(۸) الحاصل خالص دنیاوی تعلیم بھی مسلمانوں کیلئے ضرر رساں ہے اور محض دینی تعلیم سے بھی ہماری ساری ضروریات کی تکمیل نہیں ہوسکتی ۔دنیا میں مغربی طرز تعلیم کے شیوع سے قبل مذہبی اور غیر مذہبی تعلیم کی تفریق وتقسیم نہیں تھی بلکہ علماء کرام مذہبی تعلیم کے ساتھ دیگر علوم وفنون سے بھی آراستہ ہوتے تھے۔

(۹) آج مسلمانوں کیلئے یہی شکل زیادہ مفید ہے کہ جو ہمارے مذہبی قائد ہوں، وہی ہمارے سیاسی وسماجی قائد بھی ہوں ۔ہماری آنے والی نسلوں کو ایسی تعلیم وتربیت سے آراستہ کیا جائے کہ وہ مذہبی رہنمائی بھی کرسکیں اور سماجی وسیاسی قیادت کی قابلیت بھی ان کے اندر ہو جیسا کہ بعض مدارس میں میں طلباء کی تربیت اسی نہج پر کی جارہی ہے تا کہ مسلمانوں کے دونوں ہاتھوں میں سعادت مندیاں نظر آئیں ۔ایک ہاتھ میں دین ہو تو دوسرے ہاتھ میں دنیا۔ قرآن نے بھی یہی پیغام دیا۔ارشاد الٰہی ہے کہ بندہ اس طرح رب تعالیٰ سے دعاء کرے۔''رَبَّنَـا اٰتِنَـا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ'' (سورہ بقرہ-۲۰۱)

امام علم وفن کی تحقیق

امام علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفرحسین رضوی (۱۹۳۴ء-۲۰۱۳ء) نے تحریر فرمایا۔''اب مستقبل میں آنے والا مجدد دماً ۃ حاضرہ ایسا شخص ہوگا جو جملہ مروجہ علوم وفنون پر کامل دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ وہ عصری علوم وفنون کا بھی ماہر ہوگا۔انہیں سائنس، الکٹرانک، ہیئت وہندسہ ، خلاء بسیط، فلکیات وارضیات

وغیرہ پر بھی ویسا ہی ملکہ راسخہ ہوگا، جس طرح دینیات کے اصول وفروع اور نئے مسائل کے استنباط پر انہیں مہارت تامہ ہوگی''۔ (تحقیقات امام علم وفن ص ۴۴۷- امام احمد رضا اکیڈمی بریلی)

عوام الناس کا نظریہ

صدر الشریعہ علامہ امجد علی اعظمی (۱۸۷۸ء-۱۹۴۸ء) نے ''مسائل افتاء'' کی بحث میں تحریر فرمایا- ''اس زمانہ میں کہ علم دین کی عظمت لوگوں کے دلوں میں بہت کم باقی ہے، اہل علم کو اس قسم کی باتوں کی طرف توجہ کی بہت ضرورت ہے، جن سے علم کی عظمت پیدا ہو۔اس طرح ہرگز تواضع نہ کی جائے کہ علم واہل علم کی وقعت میں کمی پیدا ہو۔ سب سے بڑھ کر جو چیز تجربہ سے ثابت ہوئی، وہ احتیاج ہے۔ جب اہل دنیا کو یہ معلوم ہوا کہ ان کو ہماری طرف احتیاج ہے وہیں وقعت کا خاتمہ ہوا''۔ (بہار شریعت ج ۱۲ ص ۲۳۷)

درس نظامی میں علوم عصریہ کی شمولیت کا سیاسی فائدہ

تادم تحریر وقتاً فوقتاً اسلامی مدارس کی تعلیم پر سوالات اٹھائے جاتے ہیں کہ مدارس اسلامیہ میں آخر کیا تعلیم ہوتی ہے؟ اور اس سوال کا پس منظر یہ ہے کہ کسی بھی مذہب میں مذہبی تعلیمات اتنی وسیع ترین نہیں جو ایک انسان کے تمام امور کو محیط ہو، خواہ مذہبی امور ہوں، یا سیاسی معاملات، سماجی مسائل ہوں یا اخلاقی احکام۔ لیکن اسلامی قوانین واصول عالم انسانیت کے تمام اطراف وجوانب کو محیط ہے۔ اس لئے اس کی تعلیم وتربیت کیلئے قریباً دس سال صرف ہوتے ہیں۔ چونکہ دیگر مذاہب عالم نہ اپنے اندر اس قدر وسعت رکھتے ہیں، نہ ہی ان مذاہب کی تعلیمات کو سمجھنے یا پڑھنے کیلئے اتنی طویل مدت درکار ہوتی ہے۔ پس ایسی صورت حال میں مدارس اسلامیہ کی تعلیمات سے متعلق سوال ہونا ایک فطری امر ہے۔

حالیہ چند سالوں میں بعض اسلام کے نام لیواؤں کی طرف دہشت گردانہ امور منسوب ہوئے اور اسلام کے ازلی وابدی دشمن یہود ونصاریٰ نے اس کو ہوا دینا شروع کیا اور مذہب اسلام کو دہشت گردی کا مذہب قرار دیا جانے لگا۔ تمام مسلمانوں کو حتّٰی کہ مذہب اسلام کو بھی دہشت گردی کا مذہب باور کرانے کی سازش ہوئی۔ اسی ضمن میں ہندو پاک کے مدارس اسلامیہ پر بھی انگشت نمائی کی گئی اور یہ انگشت نمائی مدارس اسلامیہ کیلئے مستقبل میں بہت بڑا خطرہ ہے۔ ابھی صرف بنیادی اینٹ رکھی گئی ہے۔ خدانہ کرے، اگر مسلمان نہ جاگیں گے تو ان مدارس پر تالا بھی ڈالا جاسکتا ہے۔ قانونی طور پر مدارس کی تعمیر پر پابندیاں بھی عائد کی جاسکتی ہیں، جس طرح ہندوستان کی بعض ریاستوں مثلاً گوا وغیرہ میں بلا پرمیشن مساجد کی تعمیر پر پابندی عائد ہوچکی ہے۔ برادران وطن! جاگنے کی کوشش کریں۔

ابھی سے سوالات ہورہے ہیں (۱) مدارس میں کیا تعلیم دی جاتی ہے؟ (۲) پڑھنے کے بعد بچوں کا ذریعہ معاش کیا ہوگا؟ (۳) دینی تعلیم پڑھ کر وہ کیا کریں گے؟ بھائیو! یاد کرو کہ بابری مسجد سے متعلق انگلینڈ کے نصاریٰ یعنی انگریزوں نے ایک جھوٹی بات گڑھ کر تاریخ کی بعض کتابوں میں لکھ دیا کہ ''بابری مسجد'' کی جگہ کبھی ''رام مندر'' تھا۔ اسے توڑ کر بابری مسجد تعمیر کی گئی تھی۔ انگریزوں کے صرف ایک جھوٹ کے سبب سال ۱۹۹۲ء میں بابری مسجد توڑ دی گئی اور ہندوستان کی دو بڑی قومیں آپس میں ایک دوسرے سے ٹکرا گئیں۔ سارا ہندوستان جل اٹھا اور کب تک اس کے برے اثرات پائے جائیں گے، یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ حالانکہ اس کشت وخون سے کچھ فائدہ نہیں۔

اگر ہندوستان کی دونوں بڑی قومیں یعنی مسلم اور ہندو نیک نیتی کے ساتھ ملک کی بھلائیوں کیلئے اپنی ذہنی قوت اور مال ودولت خرچ کریں تو ہندوستان پھر ''سونے کی چڑیا'' ہوسکتا ہے جیسا کہ ہندوستان کے مسلم سلاطین کے عہد میں ہندوستان دنیا کا ایک طاقتور اور مالدار ملک تھا لیکن آج جبکہ ساری دنیا ترقی، دولت، معیشت، قوت، علم، سائنس، ٹیکنالوجی میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش میں ہے، اس دولت وخوشحالی کے زمانہ میں بھی ہندوستانی معیشت کا حال یہ ہے کہ ہندوستان میں بھکاریوں کی تعداد کم نہ ہوسکی۔ باشندگان وطن بلاوجہ ایک دوسرے کا خون بہارہے ہیں۔ یہود ونصاریٰ نہ مسلمانوں کے دوست ہیں، نہ ہندوؤں کے خیرخواہ ہیں۔ پھر ان کی پالیسیوں پر عمل کر کے یا ان کے

اشاروں پر ہم اپنا ملک کیوں تباہ کریں؟ ایک شاعر نے کیا خوب کہا۔

نہ ہندو کا، نہ مسلمان کا　　خون بہے گا ہندوستان کا

مسلمانو! جس طرح بابری مسجد پرانگریزوں نے ایک شوشہ چھوڑا۔ پھراسی چنگاری نے آتش فشاں پہاڑ کا روپ دھار کر پورے ملک کو خاکستر کردیا تھا،اسی طرح مدارس اسلامیہ پربھی ایک غلط ریمارک (Remark) پیش کیا جاچکا ہے کہ مدارس اسلامیہ دہشت گردی کا اڈہ ہیں۔اس لیے اب مدارس اسلامیہ کے تحفظ وبقاء کا سوال ہے۔اسلامی تعلیمات کو مابعد نسلوں تک منتقل کرنے کا سوال ہے۔ روس میں کمیونزم (Communism) کی ترقی کے بعد اسلامی تعلیمات پر پابندی عائد ہوئی تو آج تک وہاں کے مسلمان اسلامی تعلیمات سے ناواقف ہیں۔وہ صرف اتنا جانتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔مذہب اسلام کے نام کے علاوہ ان کو قرآن کی بھی تعلیم نہیں ملتی کہ وہ نماز پڑھ سکیں یعنی حکومتی پابندیوں کے سبب وہ صرف نام کے مسلمان ہوکر رہ گئے۔پس مدارس اسلامیہ کے نصاب تعلیم میں تبدیلی کی کوشش کی جائے۔جب مدارس اسلامیہ میں معتدبہ مقدار علوم عصریہ کی ہوگی تو ہم بتا سکیں گے کہ ہمارے یہاں دینی تعلیم کے ساتھ فلاں فلاں مضامین کی تعلیم ہوتی ہے۔پھر جب مدارس اسلامیہ کے فارغین سماج اور حکومت کے مختلف شعبہ جات میں پہونچیں گے اور ہندوستانی اقوام انہیں دیکھیں گی تو انشاء اللہ انہیں اسلام کی خوبیاں بھی سمجھ میں آجائیں گی اور مدارس اسلامیہ کو بھی وہ صحیح ڈھنگ سے سمجھ سکیں گے۔

علوم عصریہ سے متعلق امام اہل سنت کے افکار ونظریات

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو علوم اسلام کے متضاد نہ ہو،ان علوم کو حاصل کرنا جائز ہے۔اسی طرح جو علوم، دنیاوی امور کیلئے فائدہ مند ہیں ،ان کی تعلیم وتعلم بھی جائز ہے۔امام احمد رضا قادری نے تحریر فرمایا۔

(۱)اسی طرح بہت سے اجزاء حکمت مثل ریاضی ، ہندسہ وحساب وجبر ومقابلہ وارثماطیقی وسیاحت ومرایا ومناظر وجرثقیل وعلم مثلث کروی ومثلث مسطح وسیاست مدن وتدبیر منزل ومکائد حروب وفراست وطب وتشریح وبیطرہ وبیرزہ وعلم زیجات واسطرلاب وآلات رصدیہ ومواقیت ومعادن ونباتات وحیوانات وکائنات الجو وجغرافیہ وغیرہا بھی شریعت سے مضادت نہیں رکھتے۔بلکہ ان میں بعض بلاواسطہ،بعض بالواسطہ امور دینیہ میں نافع ومعین اور بعض دیگر دنیا میں بکارآمد ہیں،گرچہ مقاصد اصلیہ کے سوا حاجت سے زیادہ کسی شئ میں توغل فضول وبیہودگی ہے۔(فتاویٰ رضویہ ج۲۳ص۶۳۲۔جامعہ نظامیہ لاہور پاکستان)

(۲)اگر جائز فنون جائز نوکری کیلئے پڑھے تو جائز ہے جبکہ اس میں وہ انہاک نہ ہو کہ اپنے ضروریات دین وعلوم فرض کی تعلیم سے بازرکھے۔ورنہ جو فرض سے بازرکھے،حرام ہے۔اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے دین واخلاق ووضع پراثر نہ پڑے۔اسلامی عقائد وخیالات پر ثابت ومستقیم اور مسلمانی وضع پر قائم رہے۔ان سب شرائط کے اجتماع کے بعد جائز رزق حاصل کرنے کیلئے حرج نہیں۔(فتاویٰ رضویہ ج۲۳ص۱۰۷)

(۳)ذی علم مسلمان اگر بہ نیت ردنصاریٰ انگریزی پڑھے، اجر پائے گا اور دنیا کیلئے صرف زبان سیکھنے یا حساب ،اقلیدس ،جغرافیہ جائز علم پڑھنے میں حرج نہیں بشرطیکہ ہمہ تن اس میں مصروف ہوکر اپنے دین وعلم سے غافل نہ ہوجائے۔ورنہ جو چیز اپنا دین وعلم بقدر فرض سیکھنے میں مانع آئے ،حرام ہے۔(فتاویٰ رضویہ ج۲۳ص۵۳۳)

بعض دانشوروں کے سوالات

سوال: اسکول وکالج کے بہت سے تعلیم یافتگان گورنمنٹ سروس کے انتظار میں عمر کھپا دیتے ہیں۔لیکن کامیابی نہیں ملتی۔پس عصری تعلیمات ملازمت اور حسن معاش کا ضامن نہیں؟ جبکہ بہت سے علماء کرام حکومتی مدرسہ ایجوکیشن بورڈ سے ملحق مدارس میں ملازمت پاکر فارغ البالی کی زندگی گذارتے ہیں؟

جواب: عصری تعلیم گاہوں میں دوقسم کے کورسز اور ڈگریاں پائی جاتی ہیں۔

(۱)ایک سلسلہ تعلیم انسانی شخصیت کی تعمیر وترقی سے متعلق ہے خصوصاً آرٹس (Arts) کے کورسز اور ڈگریاں۔

(۲)بعض کورسز اورڈگریاں معاش اور پیشہ ورانہ امور سے متعلق ہیں مثلاً میڈیکل سائنس ، بزنس،کمپیوٹروغیرہ سے متعلق کورسزاورڈگریاں۔ایک ڈاکٹرکوگورنمنٹ جاب کی حاجت نہیں۔پس ایسے کورسزاورڈگریوں کاانتخاب کریں جومعاشی اعتبار سے مفید ہوں۔

مدرسہ ایجوکیشن بورڈ سے ملحق مدارس صرف ریاست اترپردیش اور بہاراسٹیٹ میں ہیں جبکہ علماء کرام ہرریاست میں پائے جاتے ہیں۔اس طرح ہندوستان بھرکے علماء کرام میں سے دویا تین فی صد علماء مدرسہ بورڈ سے منسلک مدارس میں ملازمت پاسکیں گے۔

سوال: معاش یاپیشہ ورانہ امور سے متعلق کورسزاورڈگریز کی تعلیم بہت مہنگی ہوتی ہے مثلاً میڈیکل سائنس کے کسی کورس یاڈگری میں ایڈمیشن کیلئے خطیررقم کی ضرورت ہوتی ہے جوایک عام آدمی کی قوت سے باہر ہے؟

جواب: میں نے مدارس اسلامیہ کاجونصاب ونظام اس مضمون میں پیش کیا ہے ،اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسا نصاب ونظام مدارس اسلامیہ میں رائج کیاجائے کہ مالدار گھرانوں (Reach Families)کے بچے بھی مدارس میں آسکیں۔انشاءاللہ تعالیٰ ثم انشاء الرسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کم ازکم پانچ فوائد حاصل ہوں گے۔

(۱)مالداروں کے بچے بھی دینی تعلیم سے آراستہ ہوسکیں گے۔

(۲)طلباعالمیت کی سند کے ساتھ میٹرک(Matriculation) کا سرٹیفیکیٹ پالیں گے اورفضیلت کی سند کے ساتھ انٹرمیڈیٹ (Intermediate) کا سرٹیفکیٹ حاصل کرلیں گے۔اب ان دونوں سرٹیفکیٹ (Certificate) کے ذریعہ کم ازکم اغنیاء کے بچے مہنگی تعلیم میں شامل ہوسکیں گے۔اوران شعبہ جات میں موجود مسلمانوں کی صالح رہنمائی کرسکیں گے۔اس طرح مالداروں کے بچے بھی بدعقیدگی سے بچ جائیں گے اورانشاءاللہ بہت سے لوگوں کو بدعقیدگی وبدعملی سے بچابھی سکیں گے۔

(۳)ان شعبہ جات سے منسلک افراد کے درمیان تبلیغ اسلام اورفروغ سنیت کا خوشنما موقع میسرآئے گا۔انشاءاللہ تعالیٰ ہندوستان میں اہل سنت وجماعت کاسمٹتاہوادائرہ وسیع ترین ہوسکے گا۔

(۴)مدارس اسلامیہ کے غریب بچوں کوبھی ترغیب ملے گی۔تعلیمی ادارہ جات ان کا تعاون کرسکتے ہیں،نیزتعلیم کیلئے بینک سے بھی قرض(Loan)مل سکتا ہے۔نیٹ اکزام(National Eligibility Test)میں کامیابی کے بعدحکومت کی جانب سے ہرماہ معقول وظیفہ بھی دیاجاتاہے۔

(۵)علماءدین وفضلاءمدارس کاوقاربھی قوم مسلم کے درمیان بحال ہوجائے گا کیونکہ علماءاسلام بھی معاشی اعتبار سے قوم کے دوش بدوش کھڑے ہوسکیں گے۔

علوم عصریہ کی ضرورت واہمیت

استاذ الکل فی الکل حضرت ملانظام الدین بن قطب الدین شہیدانصاری فرنگی محلی لکھنوی (م۱۱۶۱ھ-۱۷۴۸ء)نے آج سے قریباً تین سوسال قبل''درس نظامی'' کے نصاب تعلیم کی ترتیب دی۔اب حالات زمانہ بالکل بدل چکے ہیں لیکن''نصاب تعلیم''نہ بدل سکا۔عہد ماقبل میں منطق وفلسفہ کابہت رواج تھا۔اس لئے ''درس نظامی''میں منطق وفلسفہ کی بہت سی کتابیں شامل نصاب کی گئی تھیں۔اب علوم عصریہ کا چرچاہے۔پس لامحالہ روایت سابقہ کے مطابق علوم عصریہ کوداخل نصاب کرنا ہوگا۔

مدارس اسلامیہ کے فارغین کے علاوہ تمام عوام وخواص عصری علوم سے آراستہ ہوتے ہیں۔اورعوام وخواص کے مذہبی رہنما علوم عصریہ سے ناواقف ہوتے ہیں۔نتیجہ یہ ہوا کہ خودقوم مسلم نے علماء دین کواپنے سماج سے جداگانہ ایک''آفاقی مخلوق''سمجھنا شروع کر دیاہے ۔محض مساجدومدارس تک علماء کرام کا دائرہ محدود ہوچکاہے۔اگرتمام شعبہ جات میں علماء کرام موجودہوتے تویقیناً ہرقدم پرمسلمانوں کوشرعی احکام کی جانب ترغیب دے سکتے تھے۔ مسلمانوں کو''عمل بالشرع'' کی دعوت کے مواقع ہرمحاذ پرانہیں میسرہوتے۔لیکن علماء کرام اپنے''نصاب تعلیم''کے سبب مدارس ومساجد کے علاوہ دنیاکے کسی شعبہ میں داخل نہیں ہو سکتے ، کیونکہ ہرشعبہ میں داخل ہونے کیلئے عصری تعلیم شرط ہے۔اورجس شعبہ میں تعلیمی قابلیت کی ضرورت نہیں مثلاً مزدوری

کا شعبہ تو یہ علماء کرام کے شایان شان نہیں۔

سرکاری ملازمتوں سے مسلمانوں کی محرومی

شیخ محمد اکرام پاکستانی نے ڈاکٹر سرولیم ہنٹر کی کتاب ''اَوَرْ انڈین مسلمانز''(Our indian musalmans) کے حوالے سے لکھا۔''ڈاکٹر ہنٹر لکھتے ہیں۔''جب ملک ہمارے قبضہ میں آیا تھا تو مسلمان سب قوموں سے بہتر تھے۔نہ صرف وہ دوسروں سے زیادہ بہادر، جسمانی حیثیت سے زیادہ توانا اور مضبوط تھے۔ بلکہ سیاسی اور انتظامی قابلیت کا ملکہ بھی ان میں زیادہ تھا لیکن یہی مسلمان آج سرکاری ملازمتوں اور غیر سرکاری اسامیوں سے یکسر محروم ہیں''۔ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب بڑی مفصل ہے۔اس کے مندرجہ بالا اقتباسات ہی سے ظاہر ہے کہ ۱۸۷۰ء کے قریب دوسری قوموں کے مقابلے میں مسلمانوں کی کیا حالت تھی''۔(موج کوثر ص ۶۷-ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور)

سال ۱۸۵۷ء میں غدر کی جنگ ہوئی۔جو دراصل آزادی ہند کی اولین منظّم جنگ تھی اس وقت ہندوستان کے آخری مغل بادشاہ کی حکومت تھی۔ درحقیقت ان کی رضامندی سے یہ جنگ آزادی لڑی جارہی تھی۔اس وقت تک ہندوستان کی دفتری زبان فارسی تھی ۔ آزادی کی اس جنگ میں اہل ہند کو چند غداروں کے سبب کامیابی نہ مل سکی۔اور مسلمانوں کی بادشاہت کا نام ونشان مٹ گیا۔اب سارا ملک انگریزوں کے قبضہ میں جا چکا تھا۔انگریزوں نے مسلمانوں کا قتل عام کرنا شروع کیا۔مسلمانوں اور سلطنت مغلیہ کے حامیوں کو طرح طرح کے حیلوں اور بہانوں سے پھانسی پر لٹکانے لگے۔پھر انگریزوں نے انگلش زبان کو ہندوستان کی سرکاری زبان قرار دیدیا اور ۱۳/۱۴ سال کے اندر ہی مسلمانوں کی کیفیت یہ ہوگئی کہ وہ جسمانی طور پر بھی ٹوٹ چکے تھے۔اور انگریزی سے ناواقف ہونے کے سبب سرکاری ملازمتوں سے بھی محروم قرار پائے۔یعنی مسلمان معاشی طور پر بھی بکھر چکے تھے۔مسلمانوں کی بادشاہت نیست ونابود ہونے کے سبب مدارس اسلامیہ بھی تباہ وبرباد ہوگئے۔پھر کچھ قوت ہوئی تو انگریزوں سے نفرت کی وجہ سے قوم مسلم نہ انگریزوں کے قائم کردہ اسکول وکالج کی جانب زیادہ متوجہ ہوسکی اور نہ ہی مدارس اسلامیہ کے قدیم نصاب تعلیم میں تبدیلی لائی جاسکی اور انگریزوں کی سازش یہی تھی کہ کسی طرح مسلمانوں کو تمام حکومتی شعبہ جات سے پیچھے دھکیل دیا جائے اور وہ اس مشن میں بہت حد تک کامیاب رہے۔

دستار فضیلت اور کالج کا سرٹیفکیٹ

انگریز جنرل سالون نے ہندوستانی مسلمانوں کا تعلیمی جائزہ لینے کے بعد لکھا تھا۔''جو علوم ہمارے بچے لاطینی اور یونانی زبانوں میں اپنے کالجوں میں حاصل کرتے ہیں، وہی یہ لوگ (ہندوستانی مسلمان بچے) عربی اور فارسی میں سیکھتے ہیں۔سالہا سال کے درس کے بعد ایک طالب علم اپنے سر پر جو آکسفورڈ کے فارغ التحصیل طالب علم کی طرح علم سے بھرا ہوتا ہے، دستار فضیلت باندھتا ہے۔اور اسی طرح روانی سے سقراط، ارسطو، بقراط، جالینوس اور بوعلی ابن سینا پر گفتگو کرسکتا ہے جس طرح آکسفورڈ کا کامیاب طالب علم۔ایک تعلیم یافتہ مسلمان فلسفہ، ادبیات اور دوسرے علوم وفنون پر قابلیت سے گفتگو کرسکتا ہے اور علی العموم ان مضامین پر گفتگو کرنے اور موجودہ زمانہ میں جوان میں تبدیلیاں ہوئی ہیں، انہیں سمجھنے کا خواہشمند ہوتا ہے''۔(غالب نامہ ص ۱۴-از شیخ محمد اکرام)

مدارس اسلامیہ کے طلباء گرچہ علوم وفنون میں کالج ویونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس سے زیادہ قابلیت وصلاحیت رکھتے ہوں لیکن مدارس اسلامیہ کی سندوں کو کالج ویونیورسٹی کے سرٹیفکیٹ کی طرح حکومتی محکمہ جات میں قبولیت حاصل نہیں۔اس لئے فارغین مدارس اسلامیہ کی آخری منزل مسجد یا مدرسہ ہے۔یہ نہ کسی محکمہ میں جاسکتے ہیں، نہ ہی دنیاوی معیشت کی بہتری کا کوئی ذریعہ انہیں دستیاب ہے۔مدارس ومساجد کی تنخواہیں ان کی ضروریات کی تکمیل کے لئے ناکافی ہوتی ہیں اور جب خادمان دین وملت ذہنی طور پر کشمکش میں مبتلا ہوں گے تو وہ کتنے حسین انداز میں دین ومسلک کی خدمت سرانجام دے سکیں گے۔یہ بات سوچنے، سمجھنے اور احساس کرنے کی ہے۔محض قرطاس ابیض پر رقم کرنے سے کچھ فائدہ نہیں۔

خاندانی نظام حیات: روایت اور جدت

غلام صمدانی

اسلام زندگی کے تمام شعبۂ حیات سے متعلق ایک مکمل ضابطہ اور اور سماجی اصول کا آئینہ دار مذہب ہے ۔ یہی بات دین اسلام کو دنیا کے بقیہ تمام مذاہب سے ممتاز کرتی ہے ۔ اس زمین پر روز وشب کے اوقات گذارنے کے لیے انسانی زندگی کو مختلف اداروں اور عقائد سے ہم آہنگ ہونا ضروری ہے ۔ عموماً مذہب ،عقیدہ ،خاندانی ،معاشرتی ،معاشی ،سیاسی ،تعلیمی اور عدالتی نظام وقوائد کی پابندی اور سماجی زندگی کے لئے اہم تصور کیا جاتا ہے ۔ یہ تمام نظام باہم ایک دوسرے سے ایسے مربوط ہیں کہ ایک کی خرابی سے دوسرے کے اندر بکھراؤ اور ٹکراؤ کے امکانات ہیں۔ پس اگر خاندان صحیح بنیادوں اور اصولوں پر استوار ہے تو اس کی وجہ سے معاشرے کی بنیاد بھی مستحکم ہوگی۔ ماہر عمرانیات گورڈن مارشل نے ایک تعریف بیان کی ہے ۔ خاندان کی عمومی حیثیت اسی نوعیت کی ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

ایک گھریلو گروہ جو خونی رشتے ،جنسی رفاقت یا قانونی بندھن کی بناء پر، ایک دوسرے کے ہم آہنگ اور مربوط ہونے کی اساس پر وجود میں آیا ہو۔ یہ ایک لچکدار سماجی اکائی رہا ہے جو زمانے کے مختلف ادوار میں ہم آہنگ ہو کر باقی رہا ہے۔

خاندان کی جامع تعریف کرنا ایک دشوار گذار امر ہے کیونکہ اس کی ہیئت وساخت اور اغراض ومقاصد طبقات اور علاقے کے اعتبار سے مختلف ہیں ۔ کسی علاقے کی سماجی ساخت کچھ ہے تو کسی دوسرے کی کچھ اور دین اسلام میں خاندان اور خاندانی نظام کے حوالے سے تفصیلی رہنمائی کا ضابطہ موجود ہے۔ قرآن کی کئی سورتوں کے نام ایسے ہیں جو خاندان اور گھریلو زندگی کے مسائل کی طرف اشارہ کرتے ہیں مثلاً ۔سورۂ نسا اور سورۂ طلاق ۔ نیز خاندانی نظام حیات سے متعلق کئی سورتوں میں رہنمائی کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔ احادیث مبارکہ میں بھی اجتماعی اور خانگی زندگی کے تعلق سے وافر نمونے موجود ہیں۔ موجودہ دور میں اس اکائی کی صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے مناسب یہ ہوگا کہ سب سے پہلے قرآن اور حدیث کی روشنی میں اجتماعی زندگی گذارنے کے طریقۂ کار اور انفرادی طرز زندگی کی ذمہ داریوں کی اہمیت کو اجاگر کیا جائے۔

انسان جبلی طور پر ہر شعبہ حیات میں ایک دوسرے کا محتاج ہوتا ہے۔ عربی کا ایک مقولہ ہے کہ'' انّ **الانســـان مــدنـی او اِجتـمـاعـی لطبعه**'' انسان خاندان اور معاشرہ پسند اس وجہ سے ہے کہ اللہ نے اس کے اندر مختلف عناصر کو جمع کر دیا ہے جس کی بنا پر اس کے لیے اکیلا رہنا دشوار گذار مسئلہ ہے۔ نیز انسانی فطرت میں محبت کا عنصر اہمیت کا حامل ہے۔ اس بنا پر ایک دوسرے کے دکھ درد میں کام آنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔'' **وجـعـلـنـا بيـنـكم مودة ورحـــمة**'' (ہم نے تمہارے اندر محبت والفت پیدا کر دیا ہے)۔ ایک انسان ہونے کی حیثیت سے اسے باپ محبت کرتا ہے، ماں کے جانب سے تعریفیں حاصل ہوتی ہیں، بھائی بہن اور دیگر رشتہ داروں کے ذریعہ خوب پیار ملتا ہے ۔ ان ہی بنیادوں پر خاندان کی تشکیل ہوتی ہے۔

تصور خاندان کا اسلامی نظریہ یہ ہے کہ قرابت داری اور اعزا پروری میں حقوق وفرائض، آپسی اتحاد ومودت اور تعاون وایثار کا جذبہ شریعت کے مطابق ہو ۔ کیونکہ اسلام نے معاشرہ کے جملہ معاملات کی اساس انسانیت اور اخلاقی قدروں پر رکھا ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے۔ **يـاٰيهـا الـنـاس انّا خلقنكم من ذكر و انثىٰ وجـعلنا كم شعوبا و قبائل لتعارفو ا**۔ (لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنائی تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ہی جامع انداز میں بیان فرمایا ہے کہ:"کلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیته" اس حدیث کو سلطنت اور حکومت سے قطع نظر خاندانی تناظر میں دیکھا جائے تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ہر انسان انفرادی اور اجتماعی طور جداگانہ ذمہ داریوں کا حامل ہوتا ہے۔

خاندان کا اثر انسانی ذات پر کس طرح مرتب ہوتا ہے اس حوالے سے رسول اللہ ﷺ کا یہ قول اہمیت کا حامل ہے۔انہوں نے فرمایا کہ ہر بچہ اپنی فطرت یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔لیکن بچے کے ماں باپ اسے عیسائی ، یہودی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔جس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان خدا اور مذہب کے ساتھ بھی خاندان کے وسیلے سے رابطے میں آتا ہے۔

اسلامی اور سماجی نقطہ نظر سے خاندان کو وسیع پس منظر میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔یقیناً خاندان شوہر اور بیوی کے تعلق سے وجود میں آتا ہے۔لیکن یہ محض خاندان کی ابتدا ہے۔اس کے اگلے مرحلے پر اس میں دادا، دادی، نانا، نانی، چچا، چچی، ماما، خالہ اور پھوپھیاں وغیرہ ہیں۔اسی کے ساتھ ساتھ ان کے بیٹے اور بیٹیاں اور دیگر رشتہ دار بھی اس ادارہ سے منسلک ہوتے ہیں۔ خاندان کے اور بھی درجے ہیں۔اس کے بعد کے درجے میں دور کے رشتے دار بھی خاندانی نظام کے تحت ہوتے ہیں۔خاندان کا ایک دائرہ وہ ہے جس میں پڑوسی بھی شامل ہیں۔اسلام میں پڑوس کا تصور یہ ہے کہ چالیس گھر دائیں اور چالیس گھر بائیں ان تمام لوگوں کی خبر گیری مسلمانوں کے لیے ضروری ہے۔ہم معاشرے کے کمزور طبقات کی جانب وقت بہ وقت مادی اور اعتقادی وسائل کے ذریعے متوجہ ہوتے ہیں۔ ہمارا کسی کے ساتھ محبت سے پیش آنا یا کسی کی ضرورت کو پورا کرنا احسان جتانے کے جذبہ پر مبنی عمل نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ اسے اس کے حق کے طور پر عطا کرنے کا عقیدہ انسان اور انسانیت کی معراج ہے۔اس اعتبار سے اسے بھی خاندان کا ایک دائرہ تصور کیا جا سکتا ہے۔ پوری امت مسلمہ کے درمیان اخوت اور محبت کا جذبہ قائم کرنا بھی ایک اہم دائرہ ہے۔خاندان کا آخری دائرہ یہ ہے کہ پوری انسانیت کو خاندان کا ایک جز خیال کیا جائے کیونکہ ہم سب حضرت آدم اور حواؑ کی اولاد ہیں۔خاندان کی مذکورہ بالا درجہ بندی سے یہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کا دوسرے پر کوئی نہ کوئی حق ہے جس کی ادائیگی میں انسانیت اور انسانی سماج کی بقا کے راز مضمر ہیں۔

دراصل خاندان کا یہی وہ تصور ہے جو مسلمانوں میں صدیوں تک رائج تھا۔اسلامی خاندان کے تربیتی نظام میں اس تصور کو مرکزی اہمیت حاصل تھی۔غور کیا جائے تو یہ اندازہ ہوگا کہ خاندانی ادارہ کے اس وسیع مفہوم میں بے پناہ روحانی، جذباتی اور ذہنی تنوع تھی۔اور ان ہی بنیادوں پر انسانیت اور صالح معاشرت کی تعمیر ہوئی تھی۔لیکن سائنسی، جدید تعلیمی، صنعتی، سیاسی اور تکنیکی ترقیات کی وجہ سے انسان کے شعور و نظریات میں ایسی حرکت پذیری آئی کہ انفرادی حریت کے سوا سارے ڈھانچے بے معنی ہو گئے۔

موجودہ دور میں خاندان اور سماج کی کیا صورت حال ہے اس کا اندازہ آپ بخوبی اپنے خاندان، پڑوس، سماج اور ملکی سطح پر ہونے والی تخریب کاریوں سے لگا سکتے ہیں۔فرد اور سماج کی زندگی میں رشتوں، قدروں اور دیگر معیاروں کی آج جو صورت حال ہے ہم سمجھتے ہیں کہ اس سے آپ بخوبی واقف ہوں گے۔اس کے تفصیل سے قطع نظر یہاں یہ بحث غور طلب ہے کہ کیا آج کی صورت حال کے لیے سماج اور خاندان کے رویوں اور پیچیدگیوں کو بھی ذمہ دار ٹھہرایا جا سکتا ہے؟ اس سوال سے متعلق چند نکات کی نشاندہی کرنے کی ادنی کوشش مناسب ہوگا نہ کہ مضمحل حالات کو بیان کر کے اس پر آنسو بہانا۔

پہلا نکتہ یہ ہے کہ خاندان کے اغراض و مقاصد اور ہیئت و ساخت میں اقتضائے حال کے مطابق تبدیلی کی کبھی شعوری کوشش نہیں کی گئی۔اور نہ ہی ضروریات زمانہ کے لحاظ سے خاندان کے افراد کی تربیت کی گئی۔ بیشتر خاندان میں فرد سے برتاؤ اور توقع کا معیار وہی ہے جو صدیوں پہلے تھا لیکن تعلیم و تربیت کے معیار، محبت و رواداری کے جذبات میں تنزلی ہمیشہ بڑھتی رہی۔مثال کے طور پر

آج انسان کی مصروفیات میں تیزی سے بدلاؤ آئے ہیں، نیز ان کے اندر یہ شعور جاگا ہے کہ محض خاندانی پشت پناہی سے موجودہ دور میں زندگی کا سفر بہت دشوار ہے۔ اس کے لیے اچھی تعلیم اور بہتر روزگار کے مواقع تلاش کرنا ضروری ہوگیا ہے۔ اس صورت حال پر قابو پانے کے لیے وہ شہروں کو ہجرت کرنے پر مجبور ہیں۔ وہاں انہیں مختلف تہذیب وثقافت سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے ان کی زندگی کے لائحہ عمل میں تعلیم وترقی کے حصول کا جذبہ شدت سے جگہ پانے لگتا ہے۔ اسی جذبہ سے مغلوب ہوکر وہ علاحدہ رہائش کے انتظام کے لیے تگ ودو کرنے لگتے ہیں۔ اب اس جگہ خاندان کا معاندانہ رویہ کہاں تک درست ہوسکتا ہے؟۔ جبکہ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطالعہ سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ علاحدہ رہائش کا تصور خاندان کے لیے اہمیت کا حامل ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کے لیے علاحدہ انتظام فرمایا۔ ایک بیوی کو یہ اجازت تک نہیں ہوتی تھی کہ وہ دوسرے بیوی کے حجرے میں اس کی اجازت کے بغیر سالن تک بھیجے۔ عرب میں بھی یہی رواج تھا کہ شادی کے بعد اس کے لیے علاحدہ خیمہ کا انتظام کر دیا جاتا تھا۔ اور باپ کے مال سے کچھ ضروریات کے سامان دے دیے جاتے تھے۔ ہمارے خیال سے یہ طریقہ خاندانی رشتوں میں اور گہرائی پیدا کرنے کا ذریعہ ہو سکتا۔ ایک سوال یہ پیدا ہوسکتا ہے کہ پھر مشترکہ خاندانی نظام جس میں ایک ہی چھت کئی نسلوں کی رہائش گاہ ہوتی تھی اس کے کیا معنی ہیں۔ ہمارے خیال سے یہ مشرقی طرز خاندان کا ڈھانچہ ہے، خاص طور سے آریائی خاندان جس میں بڑے بیٹے کے سر پوری ذمہ داری ہوتی کہ وہ سبھی کی دیکھ بھال کرے اور ساری جائیداد کا مالک بھی وہی ہوتا تھا۔ ہندستان کی سماجی اور معاشرتی ڈھانچہ کے لئے کبھی اس کی اہمیت تھی، لیکن موجودہ دور میں مشترکہ خاندان کی روایت بے شمار پیچیدگیوں کی وجہ سے اقتضائے حال کے مطابقت نہیں رکھتی ہے۔ اسلام نے وراثت کا باقاعدہ نظام مرتب کیا ہے ہمیں اس نظام کو صحیح وقت پر نافذ کر کے خاندانی نظام کو وسیع مفہوم میں اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ چھوٹے خاندان کے ساتھ مختلف النوع مسائل ہیں۔ لیکن ان مسائل سے پورا سماج اور ملک گھرا ہوا ہے۔ چھوٹے چھوٹے خاندانی ادارے کی بہتر تعمیر میں ان کے ازالہ کی تدبیر پنہاں ہے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ مرد اساس خاندانی نظام میں مردانہ تسلط کی ذہنیت عام طور پر حاکمانہ رویہ کی طرف زیادہ مائل رہی ہے۔ اس کے ثبوت میں قرآن کی یہ آیت پیش کی جاتی ہے۔ ''**الرجال قوامون علی النساء**''۔ دراصل ہمارے خاندانی نظام تربیت میں بچوں کو بچیوں پر ترجیح دینے کا عام رجحان پایا جاتا ہے۔ اس طرح کے ترجیحی رویے سے خاندان کی روح کئی جہتوں سے مجروح ہوئی ہے۔ موجودہ دور میں جبکہ چہار سو بے جا اور بہ جا طور پر آزادی تحریک نسواں کی لہر چل رہی ہے۔ خاندانی نظام اسے صحیح سمت ورفتار عطا کرسکتی ہے۔ ورنہ آئندہ آنے والی تخریب کاری کی ذمہ داری خاندانی نظام کے سر جائے گا۔ سب سے پہلے ہمیں ''قوامون'' لفظ کا درست مفہوم اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ قوام کے معنی ہرگز یہ نہیں کیا جانا چاہئے جس سے تسلط اور تحکم کا جذبہ پیدا ہو۔ بلکہ بچپن سے ہی بچوں کو یہ ذہن دیا جانا چاہئے جس سے اس کے اندر تحفظ، ترحم، حقوق کی بحالی، اور نگہبانی کا مزاج ترقی کرے۔ مربّی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تربیتی اور تنظیمی امور میں جدت پسندانہ سلوک اختیار کیا جائے۔ رواداری اور رشتوں کی اہمیت کو بچوں میں جاگزیں کرنا مستقبل میں پیدا ہونے والے بیشتر مسائل کے تدارک کے امکانات پیدا کرتا ہے۔

خاندانی نظام کو استحکام عطا کرنے میں عورتوں کا کردار کئی حیثیتوں سے اہمیت کا حامل ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے کا المیہ یہ ہے کہ عورتوں کو ہی سب سے زیادہ پابندیوں کی مار جھیلنی پڑتی ہے۔ مردانہ اساس معاشرے میں عورت کی کارکردگی پر خوش طبع اور نشاط آمیز عمل کا مظاہرہ نہ کرنا خاندانی نظام کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ شوہر اور دیگر مرد اراکین عورت کے اخلاقی اور تمدنی حقوق کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ خاندانی نظام میں عورتوں سے متعلق بعض

واقعات تو ایسے ہیں جن سے پوری انسانیت مجروح ہو گئی ہے۔مثال کے طور پر آتش زنی، زہر خورانی اور تیزاب افشانی کے واقعات۔نیز گھریلو تشدد میں واقع ہونے والے غیر انسانی رویے۔جبکہ قرآن کی آیت ہے:''**وعاشروھنّ بالمعروف**''

اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:''**اکمل المومنین ایماناًاحسنھم خلقاً،و خیارکم خیارکم لنسائھم خلقاً**''(الترمذی،کتاب الرضاع،ماجاء فی حق المراۃ علیٰ زوجہا،)۔عورتوں کے تئیں مردوں کا جورویہ عام رہا ہے اس لحاظ سے ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ عورتوں کی موافقت اور مخالفت کے اکثر معاملوں میں حق اور اعتدال سے روگردانی کی گئی ہے۔اللہ کے رسول نے فرمایا کہ:''**لایفرق مومن مومنہ ان کرہ منھا خلقاً رضی آخر**''۔(صحیح مسلم،کتاب الرضاع،باب الوصیۃ بالنساء)

عورت کی سماجی حیثیت کو اللہ کے رسول ﷺ نے بلند مقام عطا کیا ہے۔انہوں نے جب ان کے انداز طبیعت کو دیکھا تو ان میں شرم وحیا اور پاکدامنی کو زیادہ پایا۔صنف نازک کا نصیبہ یہ ہے کہ آقا نے انہیں نیک فال بتایا۔ان کا نام مستورہ اور میمونہ (نیک بخت وعصمت مآب خاتون) رکھا۔لیکن آج کی عورتوں کی حالت کو دیکھ کر آپ کے لیے یہ تصور قائم کرنا مشکل ہے۔اس کی بس ایک ہی وجہ ہے مرد سالاری سماجی نوعیت کا پردہ نشینوں کے تئیں ذہنی اور عملی رویہ۔آج بھی اگر عورتوں کو اسی نظریہ سے دیکھا جائے جیسا کے ہمارے آقا نے دیکھا،آج بھی ان کے حقوق انہیں دیے جائیں۔تو مجھے امید ہے کہ وہ اپنے خوش بخت اور نیک فال ناموں کو صالح کرداروں سے چار چاند لگا سکتی ہیں،اور صالح انجام کاری سے میمونہ اور مستورہ ہونے کا ثبوت پیش کرسکتی ہیں۔

موجودہ سماج میں اقدار شکن واقعات کی اتنی لمبی فہرست ہے کہ اس کو تحریر میں لاتے ہوئے قلم کی زبان خشک ہو جاتی ہے۔مختصر یہ کہا جا سکتا ہے کہ خاندانی نظام سے فرسودگی اور توہمات کو ختم کرنا ضروری ہے۔اس کا یہ مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اس نظام کو بالکل مردہ قرار دے دیا جائے،ہمارے خیال سے خاندانی نظام حیات میں کچھ تو ایسی صورتیں تھیں جنہیں توہم کہا جا سکتا ہے۔لیکن بہت کچھ ایسا بھی تھا جسے اب بھی حکمت کے زمرے میں شمار کیا جا سکتا ہے۔آج تربیت،طبیعت اور عادت کو انسانی اصولوں پر ترقی دینا اہم ہے۔انسان جب تک اپنی خارجی اور باطنی یگانگت میں مبتلا رہے گا خود احتسابی اور خود اصلاحی عمل کا امکان پیدا نہیں ہوسکتا۔فرد،خاندان،سماجی روایات اور معاشرتی اقدار کی بہتری کے لیے ضروری ہے کہ انسان کا باطن اور خارج دونوں ہم آہنگ ہو۔

ریسرچ اسکالر، جو ہر لعل نہرو یونیورسٹی،نئی دہلی
موبائل۔۹۶۵۰۲۱۱۷۹۴
ای۔میل۔samdanihanfi@gmail.com

''نعت پاک''

ہر عیش جہاں سے وہ بیزار نظر آیا
'' جو اُ ن کی محبت میں سرشار نظر آیا''
دیکھو اے تہی دستو! دیکھو وہ اُدھر دیکھو
وہ قاسمِ نعمت کا دربار نظر آیا
ہر نیک عمل سے تو غافل ہی رہا، لیکن!
دل اُن کے تعلق سے بیدار نظر آیا
جو پی کے ہو آے خود میخانۂ طیبہ سے
ہر مرحلۂ غم میں ہشیار نظر آیا
یٰسین بھی، طٰہٰ بھی، تو نورِ سراپا بھی
تو ہی تو بہر عنواں ضوبار نظر آیا
اربابِ محبت کو ہر آیت قرآں میں
روشن مرے آقا کا کردار نظر آیا
خاکِ رہِ طیبہ کا ہر ذرہ نثاؔر ہم کو
اک عظمت ورفعت کا مینار نظر آیا

نثـــار کریمؔی
گھوسی،مئو

امام اہل سنت کا دس نکاتی پروگرام

(عصر حاضر کے تناظر میں ایک تجزیاتی تحریر) قطب الدین رضا مصباحی، دربھنگہ

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ (۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ) ماضی قریب کی ایک عبقری شخصیت کا نام ہے۔ آپ کی پوری زندگی مسلک اہل سنت و جماعت کی خدمت اور فروغ واستحکام میں گزری۔ اللہ تعالی نے آپ کو ایک ایسا دل عطا فرمایا تھا جو ہر لمحہ ملت اسلامیہ کی فکر میں تڑپتا رہتا تھا۔ آپ نے جماعت اہل سنت کے ہر پہلو کو غور سے ملاحظہ کیا، حالات کا بڑی گہری نظر سے جائزہ لیا اور پھر مسلک اہل سنت کے فروغ واستحکام کے لیے ایک جامع دستور مرتب فرمایا۔ آپ نے اپنے ایک فتویٰ میں دس ایسے امور کی طرف رہنمائی فرمائی جن کو بروئے کار لا کر حالات کو یکسر تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ آپ اپنے ایک فتویٰ میں رقم طراز ہیں:

☆ عظیم الشان مدارس کھولے جائیں۔ باقاعدہ تعلیمیں ہوں۔

☆ طلبہ کو وظائف ملیں کہ خواہی نہ خواہی گرویدہ ہوں۔

☆ مدرسین کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کاروائی پر دی جائیں۔

☆ طبائع طلبہ کی جانچ ہو جو جس کام کے زیادہ مناسب دیکھا جائے معقول وظیفہ دے کر اس میں لگایا جائے۔

☆ ان میں جو تیار ہوتے جائیں تنخواہیں دے کر ملک میں پھیلائے جائیں کہ تحریراً وتقریراً ووعظاً ومناظرۃً اشاعت دین متین کریں۔

☆ حمایت مذہب ورد بد مذہب میں مفید کتب و رسائل مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائے جائیں۔

☆ تصنیف شدہ اور نو تصنیف رسائل عمدہ اور خوش خط چھاپ کر ملک میں مفت تقسیم کیے جائیں۔

☆ شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں، جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں، آپ سرکوبی اعدا کے لیے فوجیں، میگزین اور رسائل بھیجتے رہیں۔

☆ جو ہم میں قابل کار موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں، وظائف مقرر کر کے فارغ البال بنائے جائیں اور جس کام میں انہیں مہارت ہو لگائے جائیں۔

☆ آپ کے مذہبی اخبارات ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین ملک میں بقیمت و بلا قیمت روزانہ یا کم سے کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔

حدیث کا ارشاد ہے کہ ''آخر زمانہ میں دین کا کام بھی درہم و دینار سے چلے گا'' اور کیوں نہ صادق ہو کہ صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج:۱۲ ص:۱۳۳)

ذیل کے سطور میں حالات حاضرہ کا تجزیہ کرتے ہوئے انہیں دس امور کی اہمیت وافادیت پر گفتگو کی جائے گی۔

(۱) عظیم الشان مدارس کھولے جائیں۔ باقاعدہ تعلیمیں ہوں۔

مختلف جہتوں میں دین و مذہب کی خدمات انجام دینے کے لیے سب سے پہلی ضرورت افراد کی ہوتی ہے۔ اس کے بغیر اسلامی احکام ونظریات کی اشاعت وتبلیغ اور اہل سنت و جماعت کا فروغ و استحکام ممکن نہیں۔ کسی بھی جہت میں ٹھوس اور مضبوط کام انجام دینے کے لیے اچھے اور قابل افراد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور افراد کے تیار کرنے کا واحد ذریعہ مدرسہ ہے۔ یہیں طالبان علوم نبوت کو دین کے اسرار واحکام سکھائے جاتے ہیں۔ جو تحصیل علم کے بعد مختلف سطح پر دینی خدمات انجام دیتے ہیں۔ اسی لیے تو سیدنا امام اہل سنت نے لوگوں کو نظریہ دیا کہ ''عظیم الشان مدارس کھولے جائیں۔ باقاعدہ تعلیمیں ہوں'' تاکہ ٹھوس تعلیم وتربیت کی بنیاد پر اچھے اور باصلاحیت افراد پیدا کیے جائیں جو حالات کے مطابق مختلف سمتوں میں لوگوں کی رہنمائی کریں۔ آج ہماری جماعت کے اندر اکثر علاقوں میں کثرت سے مدارس ومکاتب موجود ہیں مگر سیدنا اعلی حضرت نے جو ارشاد فرمایا تھا کہ ''باقاعدہ تعلیمیں ہوں'' اس کا

فقدان نظر آتا ہے۔ مدرسوں کے قیام کے بعد بڑے پیمانے پر ان کا چندہ بھی ہوتا ہے، عمارتیں بھی خوب تیار ہوتی ہیں مگر تعلیم کا حال انتہائی خراب ہوتا ہے۔ آج اکثر مدرسے تعلیمی نظم و نسق کی بدحالی کا شکار ہیں۔ سیدنا اعلیٰ حضرت کے اس ارشاد کی طرف مدارس کے ارباب حل وعقد کو توجہ مبذول کرنی چاہیے اور سب سے خصوصی توجہ نظام تعلیم وتربیت پر مرکوز ہونی چاہیے۔

(۲) علم دین کی خوب سے خوب اشاعت اور اسے زیادہ سے زیادہ عام کرنے کے لیے سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے لوگوں کو یہ ذہن دیا:

''طلبہ کو وظائف ملیں کہ خواہی نہ خواہی گرویدہ ہوں''

اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ زمانے کے صنعتی انقلاب نے ہر ایک کو مادیت کا شکار بنادیا ہے۔ ہر شخص آج اعلی سرمایہ داری کا خواب دیکھ رہا ہے۔ ان حالات میں مدرسے کی طرف نئی نسل کی توجہ حاصل کرنے کے لیے وظیفہ کا انتظام کیا جانا چاہیے۔ نیز یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ طلبۂ مدارس میں اکثریت ان کی ہوتی ہے جو غربت وافلاس کے شکار ہوتے ہیں۔ معاشی پریشانیوں میں مبتلا ہونے کی بنیاد پر ان کی پوری توجہ اپنی تعلیم پر نہیں رہ پاتی۔ اگر ان کے لیے وظیفہ کا انتظام کردیا جائے تو یکسو ہوکر وہ اپنی تعلیم کی طرف متوجہ رہیں گے اور حالات زمانہ کے اثر انداز ہونے سے وہ کسی قدر محفوظ رہ سکیں گے۔ غربت وافلاس سے متاثر ہوکر بہت سے طلبہ اپنی تعلیم مکمل نہیں کرپاتے اور درمیان ہی میں انہیں سلسلہ تعلیم کو ترک کرنا پڑتا ہے جب کہ کچھ طلبہ انتہائی ذہین، باذوق اور ابتدائی جماعتوں کے نہایت پختہ ہوتے ہیں جو سلسلۂ تعلیم جاری رکھنے کی صورت میں ایک اچھے عالم کی شکل میں قوم کے سامنے آتے، مگر معاشی دشواریوں کی بنیاد پر وہ ایک عام انسان کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اے کاش! ہمارے مدارس میں یہ سلسلہ شروع ہوتا تو یہ وسیع پیمانہ پر خدمت علم کا ذریعہ ہوتا۔

(۳) امام اہل سنت سیدنا اعلی حضرت قدس سرہ مدرسے کے ایک اہم پہلو کی طرف توجہ دلاتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''مدرسین کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کاروائیوں پر دی جائیں''

مدارس سے لوگوں کی بے رغبتی کا بنیادی سبب خوش حال زندگی کی فقدان ہے۔ ایک معتد بہ زمانہ تک محنت و جفاکشی کے بعد جب ہمارے علما بحیثیت مدرس، مدارس میں پہنچتے ہیں تو بھی ان کے خورد ونوش اور رہائشی انتظامات انتہائی دل شکن ہوتے ہیں۔ مہینے بھر کا حق محنت بہت معمولی ہوتا ہے جس سے ان کا اپنی ضروریات کی تکمیل کرنا نہایت دشوار ہوتا ہے۔ یہ ہمارے مدارس کا ایسا دل خراش پہلو ہے جس نے ہمارے علما کو معاشرے میں بے وقعت بنا دیا ہے۔ عام طور پر اساتذہ کا ذہن معاشی پریشانیوں میں الجھا ہوتا ہے۔ جس کی بنیاد پر وہ طلبہ کی تعلیم وتربیت پر اپنی پوری توجہ نہیں دے پاتے۔ محض اسباق کی تدریس سے وہ سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ اگر ان کی خاطر خواہ تنخواہ ہوتو کوئی وجہ نہیں کہ دوسرے اسباب و وسائل کی تلاش میں وہ سرگرداں رہیں۔ نیز یہی سارے حالات مشاہدہ کرکے بہت سارے طلبہ عہد طالب علمی میں محنت چھوڑ دیتے ہیں یا سرے سے سلسلۂ تعلیم ہی ترک کردیتے ہیں۔

یہ بہت افسوس کی بات ہے کہ مدارس کے ارباب حل وعقد ایک کثیر رقم مدارس کی عمارت کی تزئین کاری، سالانہ جلسے اور دوسرے امور میں صرف کردیتے ہیں مگر مدرسین کی تنخواہ میں اضافہ کرنے پر ان کے جسم سے روح نکلتی ہے۔ جن اساتذہ کی شب وروز کی محنتوں کی بنیاد پر کسی ادارے کی شناخت بنتی ہے، انہیں کے ساتھ یہ تنگ نظری وقت کا کتنا بڑا المیہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اچھے اور باصلاحیت اساتذہ اب ہمیں میسر نہیں ہوتے۔ کسی ادارے میں وسعت نہ ہونا ایک قابل عذر بات ہے مگر وسعت کے باوجود بیش قرار تنخواہوں سے اعراض کرنا سطحی فکر ونظر کی غماز ہے۔

(۴) ''طبائع طلبہ کی جانچ ہو جو جس کام کے زیادہ مناسب دیکھا جائے معقول وظیفہ دے کر اس میں لگا دیا جائے۔''

ہمارے مدارس میں بالعموم بعد فراغت طلبہ کی بہتر رہنمائی نہیں ہوتی۔ مدرسے کی چہاردیواری میں ایک طویل عرصہ گزارنے کے بعد میدان عمل کے انتخاب کے وقت کسی ایک پہلو پر ان کا دل نہیں جمتا۔ اور وہ اپنے مطابق کسی ایک پہلو کا انتخاب کرکے اس میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ اس طرح بہتیرے طلبہ کی صلاحیتیں بھی

ضائع ہو جاتی ہیں۔ عہد طالب علمی ہی سے اگر طلبہ کی خصوصیات پر نظر رہے اور تکمیل تعلیم کے بعد ان کی دلچسپی کے مطابق شعبوں سے انہیں وابستہ کر دیا جائے تو ان کی صلاحیت واستعداد میں بڑا اچھا نکھار پیدا ہوگا اور علم وادب میں پختگی بھی۔ نیز آئندہ وہ ان شعبوں کی بہتر خدمات بھی انجام دے سکیں گے۔

ہم ماضی قریب میں جماعت اہل سنت کی جلیل القدر شخصیت حضور حافظ ملت قدس سرہ کی زندگی کا مطالعہ کریں تو آپ کی ذات اس مخصوص وصف سے بھی متصف نظر آتی ہے۔ بہتیرے ایسے افراد ہیں جنہیں حضور حافظ ملت نے درس نظامی کی تکمیل کے بعد اپنے فیض صحبت میں جگہ دی اور ان کے علم وادب کے اندر گہرائی وگیرائی کا سامان فراہم کیا، جو ہر پیدا کرنے کی تدبیریں اپنائیں اور انہیں آگے بڑھانے کی ہر ممکن کوششیں کیں۔

(۵) سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے آگے یہ بھی ارشاد فرمایا:

''ان میں جو تیار ہوتے جائیں تنخواہیں دے کر ملک میں پھیلائے جائیں کہ تحریراً وتقریراً و وعظاً و مناظرۃً اشاعت دین و مذہب کریں''

اس عبارت سے سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے ہمیں یہ ذہن دیا ہے کہ مختلف شعبوں میں طلبہ تیار ہونے کے بعد ملک بھر میں انہیں پھیلایا جائے جو حسب ضرورت تحریر وتقریر اور وعظ ومناظرہ کے ذریعہ دین و مذہب کی تبلیغ و اشاعت کریں۔ یہاں بھی اعلیٰ حضرت نے تنخواہ کا ذکر فرمایا تا کہ وہ فکر معاش سے بے پرواہ ہو کر خدمات دینیہ کی انجام دہی میں مصروف رہیں۔

(۶) ''حمایت مذہب ورد بد مذہب میں مفید کتب ورسائل مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائے جائیں۔''

اعلیٰ حضرت نے اس ارشاد سے لوگوں کی توجہ اس طرف مبذول کرائی ہے کہ اصحاب تصنیف وتالیف کو نذرانے پیش کر کے مذہب ومسلک کی حمایت اور بد مذہبوں کی تردید پر مفید کتب و رسائل تصنیف کرائے جائیں۔ کیوں کہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم اپنی تقریر ہر ایک تک نہیں پہنچا سکتے۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں جنہیں ہماری محفل ومجلس میں شرکت کا موقع ہی نہیں ملتا۔ ایسے لوگوں تک اپنا پیغام پہنچانے کے لئے ہمیں تحریر ہی کا سہارا لینا پڑے گا۔ مگر ہماری جماعت کی یہ بھی ایک کڑوی حقیقت ہے کہ جو حضرات تحریر وتصنیف سے مربوط ہیں اور ہزاروں صفحات کی عرق ریزی کے بعد کتابوں کی تصنیف وتالیف کرتے ہیں ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا اور اخراجات کی تکمیل کے لئے انہیں بالاخر اس سے منھ موڑنا پڑتا ہے۔ سیدنا اعلیٰ حضرت نے بہت پہلے ہمیں اس طرف متوجہ فرمایا تھا اور ارباب قلم کی پذیرائی اور حوصلہ افزائی کے لیے ارباب حل وعقد کو وظائف ونذرانے کی ترغیب دلائی تھی۔

(۷) ''تصنیف شدہ اور نو تصنیف رسائل عمدہ اور خوش خط چھاپ کر ملک میں مفت تقسیم کیے جائیں۔''

رسائل وکتب کی تصنیف کے بعد ان کے عام کرنے اور لوگوں تک پہنچانے کا بھی ایک اہم مسئلہ ہوتا ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی باریک بیں نگاہ نے اس کو بھی نہیں چھوڑا ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنے اس ارشاد میں زمانے کے تقاضوں کو کس قدر ملحوظ رکھا ہے وہ نہایت واضح ہے۔ رسائل کو عمدہ اور خوش خط چھاپنے کی بات زمانے ہی کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر کہی گئی ہے۔ آج لوگوں کا مزاج بن چکا ہے کہ وہ کتاب میں خوبصورت تحریر اور صاف ستھری طباعت طلب کرتے ہیں۔ اگر واضح اور عمدہ خوش خط ہو تو دلچسپی سے اسے پڑھتے ہیں ورنہ گنجلک تحریر پر وہ توجہ نہیں دیتے۔ کتاب کی طرف لوگوں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے اسے عمدہ اور خوش خط چھاپنا بھی ضروری ہے۔

ہماری جماعت کا یہ بھی ایک دل خراش مسئلہ ہے کہ شادی، بیاہ، جلسے، جلوس اور دوسری مختلف تقریبات میں ہزاروں روپے صرف کر دیے جاتے ہیں اور کسی دیرپا کام کی طرف ان کی عنان توجہ موڑی جائے تو اس سے وہ اعراض کرتے ہیں۔ ان مواقع پر اگر چند سو کی کتابیں اور مختصر مفید رسائل خرید کر تقریب میں شرکت کرنے والوں کے مابین تقسیم کر دیے جائیں تو تحفظ عقائد و درستی اعمال میں اس کا بھی ایک اہم رول ہوگا۔

(۸) ''شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں جہاں جس قسم کے واعظ، مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں۔ آپ سرکوبی

اعدا کے لئے اپنی فوجیں، میگزین اور رسالے بھیجتے رہیں۔''

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی اس تحریر سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ پورے ملک میں کس طرح کا انقلاب لانا چاہتے تھے۔ ہر شہر اور علاقہ میں جب ہمارے نگراں موجود رہیں گے تو ہمیں ہر جگہ کی ضرورتوں کی خبر رہے گی اور اس کے مطابق ہم تبلیغ اور اشاعت کے لئے اپنا قدم اٹھا سکیں گے۔ ورنہ جب حالات کی خبر ہی نہ ہو تو مخالفین اپنی چابک دستیوں کی بنیاد پر علاقے کے علاقے برباد کر ڈالیں گے اور پھر وہاں کے لوگوں کے ایمان و عقائد کا تحفظ نہایت مشکل امر ہوگا۔

(۹) ''جو ہم میں قابل کار موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں وظائف مقرر کر کے فارغ البال بنائے جائیں اور جس کام میں انہیں مہارت ہو لگائے جائیں۔''

اعلیٰ حضرت کو اس بات کا خوب احساس تھا کہ ہم میں بہت سے لوگ معاش سے پریشان ہو کر اس رخ سے منھ موڑ لیتے ہیں اور کسی ذریعۂ معاش سے منسلک ہو جاتے ہیں۔ اس لیے آپ نے اس طرف توجہ دلائی کہ ایسے افراد کو ان کی دلچسپی کے مطابق کسی شعبہ سے مربوط کر دیا جائے اور وظائف مقرر کر کے انہیں فارغ البال بنایا جائے تاکہ وہ پوری دلجمعی کے ساتھ اپنے فن میں مشغول رہیں۔

(۱۰) امام اہل سنت سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ اپنے دس نکاتی پروگرام کا اختتام اس ارشاد پر کرتے ہیں:

''آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین تمام ملک میں بقیمت روزانہ یا کم سے کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔''

امام احمد رضا قدس سرہٗ نے ایک صدی قبل اس ضرورت کو محسوس کیا کہ جماعت اہل سنت کے ترجمان کی حیثیت سے کوئی مذہبی اخبار شائع ہونا چاہئے مگر آج تک ایسا نہ ہو سکا۔ آج جب کہ میڈیا ہر شعبۂ زندگی میں اپنا ایک اثر قائم کر چکی ہے، ہمارے علما کا اس سے مربوط ہونا ایک ناگزیر امر ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہٗ کا تحریر کردہ یہ دس نکاتی پروگرام اپنی جگہ بڑا اہم مقام رکھتا ہے۔ یہ خاکہ آپ نے جماعت اہل سنت کے پیش آمدہ مسائل کا گہرائی سے تجزیہ کرنے کے بعد رقم فرمایا ہے جو فروغ و استحکام کے اہم گوشوں کو شامل ہے۔ سیدنا اعلیٰ حضرت کا پیش کیا ہوا یہ پروگرام کئی دہائیوں سے مسلسل شائع ہوتا آ رہا ہے۔ مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ ایک لمبا عرصہ گزر جانے کے باوجود ان دسوں نکات پر عمل نہ ہو سکا۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعض تنظیموں اور تحریکوں نے اس پروگرام کو سامنے رکھ کر چند نکات پر بڑی اہم اور قابل قدر خدمات انجام دی ہیں اور دوسرے نکات کو بھی عملی جامہ پہنانے کے لیے مسلسل کوشاں ہیں۔ مگر حالات کا جبری تقاضہ یہ ہے کہ مختلف تنظیمیں الگ الگ نکات کو سامنے رکھ کر عمل کی راہوں کا انتخاب کریں اور جتنی جلدی ہو سکے ان تمام نکات پر منصوبہ بند طریقے سے کام کا آغاز کیا جائے۔

صفحہ 54 کا بقیہ: **مکتوب ڈاکٹر ابرار قادری، رائے پور**

جناب مولانا محمد قاسم مصباحی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

امید کہ مزاج عالی بخیر۔ تحریر کرنا مقصد یہ ہے کہ آپکے ذریعہ بھیجا گیا ماہنامہ پیغام شریعت ملا۔ سارے مضامین بہت ہی مفید اور کارآمد ہے، خاص کر ''واقعہ معراج سائنس اور عقل کی روشنی'' بزرگوں سے اولاد کی دعا کرنا کیسا'' قابل ستائش ولائق تحسین ہے۔ مذکورہ مضامین سے قارئین حضرات بہت کچھ استفادہ حاصل کر سکتے ہیں اور اپنے علم میں اضافہ بھی۔ ٹائٹل پیج بھی دیدہ زیب ہے۔ امید ہے کہ مستقبل میں مزید ملی وملکی مسائل پر خاص مضمون اس جریدہ میں دیکھنے کو ملیگا۔ بہر کیف چھتیس گڑھ اہل سنے تنظیم اور اراکین یونانی میڈیکل کالج، رائے پور آپ اور آپکی پوری ٹیم کو اس رسالہ کے لئے دل کی گہرائیوں سے بہت بہت مبارک بادپیش کرتے ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب (ﷺ) کے صدقے اس رسالے کو خوب ترقی دے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

از: ڈاکٹر ابرار قادری

محسن ملت یونانی میڈیکل کالج، رائے پور، چھتیس گڑھ

خضر راہ

اس کالم میں قارئین اور دانشوران ملت کے مختلف مسائل پر خیالات اور حاصل مطالعہ وغیرہ شامل کیے جاتے ہیں (ادارہ)

عمان اعلامیہ اکبر کے دین الٰہی کی ایک تمہید ہے

مولانا طارق انور مصباحی (کرالا) نزیل حال اجمیر معلٰی

ہندوستان میں اکبر بادشاہ کے عہد میں ایک نیا مذہب ''دین الٰہی'' کے نام سے متعارف ہوا تھا، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (۹۷۱ھ-۱۰۳۴ھ) نے اس فتنہ کو نیست و نابود فرما دیا- عصر حاضر میں پھر کچھ عجیب وغریب افکار وخیالات کا ظہور ہو رہا ہے۔گزشتہ دنوں ہمیں معلوم ہوا کہ واٹس اپ اور انٹرنیٹ پر عمان اعلامیہ کی خبر گردش کر رہی ہے۔ اور اس کی کچھ تفصیلات ہندو پاک کی سرحد میں داخل ہو چکی ہیں۔ اس لیے ہم نے مناسب سمجھا کہ اس کے تعلق سے اپنا موقف واضح کر دیں کہ یہ دین اکبری کی طرف ایک پیش قدمی ہے۔ دراصل اہل سنت و جماعت کے علاوہ جتنے بھی کلمہ گو فرقے ہیں، اگر وہ ضروریات دین کے منکر ہیں تو وہ مرتد ہیں۔ اور اگر ضروریاتِ اہل سنت و جماعت کے منکر ہیں تو وہ گمراہ و بدمذہب ہیں۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے۔ ہاں مسلمانوں کا کوئی گروہ کسی فرعی مسئلے میں اختلاف رکھتا ہے تو اس کی تکفیر یا تضلیل وتفسیق جائز نہیں جیسے مذاہب اربعہ۔ اور اگر کسی بدعتی کی بدعت حد کفر تک نہ پہنچے تو بلاشبہہ اس کی تکفیر جائز نہیں۔ لیکن کوئی فرد واحد یا جماعت اگر کسی ضرورت دینی کا انکار کرتی ہے یا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتی ہے تو بلاشبہہ اس کی تکفیر کی جائے گی۔ کہ ایسے شخص کی تکفیر بھی ضروریات دین سے ہے۔

مذکورہ عمان اعلامیہ میں آٹھ فرقوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ ان کی تکفیر درست نہیں۔ حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی، جعفری، زیدی، اباضی، ظاہری۔ یہ ترتیب عجیب وغریب ہے۔ پہلے چار کی تکفیر دنیا میں کوئی نہیں کرتا، اور باقی چار فرقے تو ایسے ہیں کہ ان کے عقائد وافکار گمراہی اور کفر کی حد تک پہنچے ہوئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ اردن کے اپنے سیاسی حالات کے مطابق کوئی پالیسی تیار کی گئی ہو۔ ورنہ ہندو پاک کے لیے اس فہرست میں کچھ نہیں رکھا ہے۔ کون ان میں کس کی تکفیر کر رہا ہے لوگوں کو معلوم بھی نہ ہوگا۔ بلکہ عموماً زیدی، اباضی اور ظاہری کا اطلاق دور حاضر میں کس گروپ پر ہے یہ بھی لوگوں کو معلوم نہ ہوگا۔ تو اس عمان اعلامیہ سے آخر برصغیر کا کون سا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اس اعلامیہ میں ظاہر کیا گیا ہے کہ دور حاضر میں بڑھتے ہوئے تکفیری رجحانات کو روکنے کے لیے یہ ایک قدم ہے۔ اس لحاظ سے ہوسکتا ہے یہ فہرست خطہ عرب کے لیے مفید ہو، ہندو پاک میں جو مسئلہ چل رہا ہے وہ، دیوبندی، وہابی، قادیانی، رافضی، غیر مقلد، کا مسئلہ ہے۔ اور اہل سنت و جماعت انھیں لوگوں کی تکفیر یا تضلیل کرتے ہیں۔ وہ بھی محض تعصب کی بنا پر نہیں بلکہ ان کے ان افکار ونظریات کی بنا پر جو ان کے علما نے اپنی کتابوں میں بیان کیے۔ بہر حال مذکورہ فہرست میں جعفری، زیدی، اباضی اور ظاہری کی جو شمولیت کی گئی ہے ہم چاہتے ہیں کہ ان چاروں فرقوں کے بارے میں تفصیل سے مستند معلومات فراہم کریں۔ لہٰذا ہم پیغام شریعت کے آئندہ شماروں میں ان میں ہر ایک پر الگ الگ پوری تفصیل سے دستاویزی معلومات فراہم کرنے کی کوشش کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

تحریر: زاہد حسین (پاکستان) مترجم: محمد نعیم مصباحی۔ (ریسرچ اسکالر، جے این یو، نئی دہلی)

اگر ایک طرف نام نہاد تنظیم اسلامی اسٹیٹ نے روز اول سے ہی اپنی شدت پسندی اور ظلم و بربریت سے پوری دنیا کو سکتے میں ڈال دیا ہے تو دوسری طرف یہ نت نئی زیادتیوں میں مصروف عمل ہے۔ عنقریب وقوع پذیر حادثے کو تہذیبی خاتمے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اسلامی اسٹیٹ کے غنڈے موصل میوزیم تہس نہس کرنے کے بعد عہد قدیم کی نمرودی یادگار کوز میں بوس کرنے میں مشغول ہیں۔ یہ تاریخی مقامات جو مذہب کے نام پر ڈھائے جا رہے ہیں عالمی تہذیبی ورثہ کا درجہ حاصل کر چکے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ تاریخی شواہد متعدد تہذیبوں اور ان کے ماننے والوں کی نشانیاں ہیں جن کی حفاظت وصیانت عراقی عوام نے بڑی تن دہی اور ذمہ داری کے ساتھ پچھلے ۳؍ ہزار سالوں سے کیا ہے۔

اسلامی اسٹیٹ کے ذریعے جاری شدہ ایک حالیہ ویڈیو میں کچھ متشدد افراد کو دکھایا گیا ہے جن کے ہاتھوں میں بڑے بڑے ہتھوڑے ہیں اور وہ کچھ مجسموں اور فنون لطیفہ پر مشتمل آثار کو توڑ رہے ہیں جو اُن کے مطابق جھوٹے بُت ہیں۔ یہ جملہ تباہیاں محض مذہب کے نام پر جائز قرار دی جا رہی ہیں۔ یہ تاریخی مقامات جو عموماً کسی بھی تہذیب وثقافت کے وجود اور دوام پر شاہد عدل ہوتے ہیں وہ آج ایک نام نہاد خلیفہ کے نشانے پر ہیں اور عراق وشام کے ایک بڑے حصے پر اُس کی شرانگیزیاں دراز ہو چکی ہیں۔ حالیہ دنوں میں اس گروہ کے ہاتھوں موصل شہر کی مرکزی لائبریری میں موجود بے شمار قیمتی مخطوطے جلا دیئے گئے۔ چنانچہ ایسا لگتا ہے کہ یہ مجرمانہ عمل ۱۳؍ ویں صدی میں منگولوں کے ذریعے مچائی گئی تباہی میں ملا ورثہ ہے۔

ہزاروں سال پرانی اس تہذیبی علامت کے خلاف اسلامی اسٹیٹ کا معاندانہ اقدام ایک سوچی سمجھی سازش کا حصہ ہے جس کا واحد مقصد انسانی تاریخ کے ایک اہم باب کو معدوم کرنا ہے۔ یہ تشدد وانتہا پسندی کے خوگر افراد سر عام قتل وغارتگری کا بازار گرم کر کے ظلم و بربریت کی ساری حدیں توڑ چکے ہیں اور اب وہ مقبوضہ سرزمین کا صرف حال ہی نہیں بلکہ ماضی بھی تباہ وبرباد کرنے پر مصر ہیں۔ چنانچہ اسلامی اسٹیٹ کا تازہ ترین طرفہ اُس کی مفلوج سوچ کی پیداوار ہے جو مذہب کے نام پر ظلم و بربریت کو جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن قرار دیتی ہے۔ لہذا، عالمی برادری اسے وارننگ الارم کے طور پر قبول کرے اور دیگر مسلم اقوام کے بیچ تیزی سے پھیل رہی ظلم وتشدد سے پُر اس بیماری کا مستقل علاج کرے۔

مذہبی بنیادوں پر پروان چڑھے اس گروپ کے نزدیک کسی کا خون بہانا درست اور جائز ہے نیز اسلامی اصول ومبادی کی تعبیر (جو انھوں نے کی ہے) کے قطعاً مخالف نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی اسٹیٹ کی مختصر تاریخ بے انتہا ظلم وزیادتی سے بھری پڑی ہے بلکہ یہ نام مذہبی اور نسلی بنیادوں پر ہونے والی بیخ کنی کا مترادف بن چکا ہے۔ ظلم وتشدد کا مظاہرہ اسلامی اسٹیٹ کا شعوری طور پر لیا گیا فیصلہ ہے تاکہ دشمنوں کو دہشت میں رکھا جا سکے اور نئے جنگجو امیدواروں کو بھرتی کیا جائے۔ گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ آئی ایس آئی ایس تشدد وانتہا پسندی کا دوسرا نام ہے جس کی نہ کوئی حد ہے نہ روک۔

مذہبی دشمنوں کے خلاف ہونے والی یہ سفاکیت محض عیسائیوں کی پھانسی اور شیعوں کی نسل کشی پر ختم نہیں ہوتی بلکہ اسلام پسند سنی حلیف بھی اس کے شر سے محفوظ نہیں۔ اس کی واضح مثال یہ ہے کہ حلیف سنی گروپ کے خانقاہوں اور مساجد پر حملے کا دائرہ وسیع تر ہوتا جا رہا باوجودیکہ عالمی برادری اس صورت حال پر اپنی ناراضگی درج کرا چکی ہے۔ لیکن سوال یہاں یہ ہے کہ آخر تاریخ نشانے پر کیوں؟ تاہم اسلامی اسٹیٹ کی حرکتوں کا اندازہ لگانا بیحد مشکل ہے۔ مذکورہ سوال کا جواب اُس آئیڈیولوجی میں پوشیدہ ہے جو انسانی تاریخ وثقافت کے ہر اُس پہلو

کے خلاف ہے جو اسلام کی آمد سے قبل موجود تھے یا جو اُن کے ذریعے کی جانے والی مذہب کی محدود تعبیر و تشریح کے دائرے سے خارج ہے. واضح رہے کہ یہ توضیح و تشریح اسلام کی Ultra-conservative تعبیر کا حصہ ہے جس کا تعلق براہ راست ۱۸رویں صدی میں جنمی وہابی تحریک سے ہے. اس تحریک کے مطابق ہر وہ شے جو اُن کے خود ساختہ معیار سے مطابقت نہیں رکھتی یا جو کسی قدر اسلام کی آزادانہ اور توہم پرستانہ توضیح و تشریح پر مبنی ہو اسلامی اسٹیٹ اور اس سے متعلقہ گروپ کے نزدیک قابل قبول نہیں۔

یقیناً موصل شہر کے میوزیم کی بربادی اور نمرود کے تاریخی مقام کی تباہی بیحد پریشان کن بات ہے لیکن یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں جب ہم اپنے ماتھے کی آنکھوں سے مذہبی تشدد کا ننگا ناچ دیکھ رہے ہیں اور جس کی تمام تر توجہ تاریخی وثقافتی ورثے کے قلع قمع پر مرکوز ہے۔ بھلا افغانی طالبان کے ذریعے بامیان بودھا کو مارے جانے والے واقعہ کو کون بھُلا سکتا ہے؟ پانچویں صدی کے مجسمے، پوری دنیا میں بدھا کے نصب شدہ اونچے اونچے اسٹیچو صدیوں پُرانی خانہ جنگی اور دراندازی کے دوران بھی محفوظ رہے۔ لیکن یہ لمبے اونچے مجسمے اور عالمی تاریخی ورثے سن ۲۰۰۱ء کے بعد اُس وقت زمیں بوس کردئے گئے جب مُلا عمر نے یہ فرمان جاری کیا کہ افغانستان کی سرزمین پر موجود وہ سارے مجسمے ڈھادئے جائیں جو اسلامی اصول و مناہج کی تطبیق میں مخل ہیں۔

عید کی مبارکبادیوں کے بینر کا سلسلہ: سنّت ہے یا بدعت؟

لاکھوں روپیہ جھوٹی شہرت اور واہ وائی کی نذر: ایک لمحۂ فکریہ

از: عطاء الرحمٰن نوری مبلغ سنی دعوت اسلامی، (MA,B.ED,MH-SET) مالیگاؤں

عنقریب ماہِ صیام کا مقدس مہینہ ہمارے درمیان سے روپوش ہونے والا ہے، جس میں فرضیتِ روزہ کا مقصد قرآن کریم نے حصولِ تقویٰ کو قرار دیا۔ ایک مہینے کے روحانی اور جسمانی امتحان سے گذرنے کے بعد بطور مسرت وشادمانی اللہ عزوجل ہمیں ''عید'' جیسا عظیم تحفہ عطا فرماتا ہے۔ اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب عید الفطر کی رات آتی ہے تو ملائکہ خوشی مناتے ہیں اور اللہ عزوجل اپنے نور کی خاص تجلی فرماتا ہے، فرشتوں سے فرماتا ہے اے گروہِ ملائکہ اس مزدور کا کیا بدلہ ہے جس نے اپنا کام پورا کرلیا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں اس کو پورا اجر دیا جائے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اس کو بخش دیا۔ مسلمانان عالم ایک دوسرے سے سلام، مصافحہ اور معانقہ کے ذریعے اپنی خوشیوں کو دوبالا کرتے ہیں۔ ہر چھوٹا اپنے بڑے سے عیدی کا طلبگار رہتا ہے۔ شیر خورمہ اور سیوئیوں کی بھینی بھینی خوشبو مشام جاں کو معطر کرتی ہے۔ بلاتفریق ہر کسی کو مبارک باد پیش کی جاتی ہے۔ عید کے دن بلا امتیاز دوست ہو یا دشمن ہر کسی سے انتہائی عاجزی وخلوص کے ساتھ ملا جاتا ہے۔ چہار جانب خوشیوں کا بازار گرم ہوتا ہے۔

چند سالوں سے مبارکبادیوں کا نیا سلسلہ دن بہ دن شہر میں پروان چڑھتا جارہا ہے۔ جی ہاں! آیئے اپنی یادداشت کو تھوڑا سا پیچھے لے چلیں۔ لوگ عید کی تیاریوں میں مصروف ہیں، ہر ایک کو ''ہلالِ شوال'' کا انتظار ہے کہ کب چاند نظر آئے اور عید اپنے جلو میں رونقیں لے کر حاضر ہو۔ ایسے میں پورے شہر میں کچھ لوگ ہمیں چوک چوراہوں اور شہر کی اہم شاہراؤں پر بینر نصب کرتے ہوئے نظر آئے ہونگے۔ ان بینروں کے ذریعے کسی پیغام کو پہنچانا مقصد نہیں تھا بلکہ اُمت مسلمہ کو عید الفطر کی مبارکباد پیش کرنا تھا۔ ان بینروں پر جن جن لوگوں نے عید کی مبارکبادیاں پیش کیں تھیں ان میں مذہبی، سیاسی، سماجی اور تھوڑا بہت اثر ورسوخ رکھنے والے نام نہاد افراد کے نام سرفہرست ہیں۔ ہمیں ان افراد سے نا کوئی ذاتی رنجش ہے اور نہ ہی کسی قسم کا بغض وعناد۔ بلکہ ایک اہم نکتے کی جانب توجہ کو مبذول کرانا ہمارا مقصد ہے۔ ایک چھوٹے

سے چھوٹے بینر کی قیمت تقریباً 1200 / روپئے ہوتی ہے۔ جبکہ شہر بھر میں مختلف قسم کے بینر آویزاں تھے، تقریباً 2000 / سے 10,000 / کی لاگت سے بنے بینر شہر مالیگاؤں اور قرب وجوار میں ایک اندازے کے مطابق 500 / سے زائد بینرس نصب تھے۔ اگر ہم اوسطاً ایک بینر کی قیمت 2500 / روپئے بھی لیں تو 500 / بینرس کی مجموعی قیمت 1250000 / ہوتی ہے۔ کیا ان بینر ہولڈرس کی نگاہ میں عید کا مقصد صرف مبارکباد پیش کرنا تھا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ جھوٹی شان وشوکت اور نام ونمود کی خاطر اتنا پیسہ برباد کیا جارہا ہے؟ یا حصولِ شہرت اور واہ وائی اس کا مقصد ہے؟ یا پھر ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی ہوس اس فضول خرچی کا منبع....؟ کیا اہلیان شہر کو ان بینروں کے ذریعے مبارکباد پیش نہیں کی جائے گی تو عید نہیں ہوگی؟ یا عید کا رنگ پھیکا ہوگا؟ یا آپ کی اس شہرت حاصل کرنے والی مبارکبادی کے بغیر عید نامکمل ہوگی؟ ان بینروں پر ان لوگوں کی بھی بڑی بڑی تصویریں موجود تھیں جو جائز ومستحسن امر پر ناجائز اور بدعت کا فتویٰ لگانے میں ذرّہ برابر بھی رب کا خوف محسوس نہیں کرتے۔ ذرا بتائیں آپ کا یہ عمل سنّت ہے یا بدعت؟ آخر شخصیت سازی کے لیے خرافات کو کیوں جنم دیا جارہا ہے؟ شہر میں بینروں کا استعمال محض شخصیت کی تعمیر وتوسیع، ذہن سازی اور بلند مقام ومرتبہ کے اظہار کے لیے ہوتا ہے جب کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا: ''اپنی جانوں کو اچھا نہ بتاؤ، خدا خوب جانتا ہے کہ تم میں نیکو کار کون ہے۔'' (احکامِ شریعت، حصہ اول، ص/۳۷، سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ)

ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کاش!! یہ روپیہ قوم کے ان افراد تک پہنچا دیا جاتا جنھوں نے عید کا دن بھی پرانے اور بوسیدہ لباس میں گذارا۔ کاش! ان لوگوں تک اگر یہ رقم پہنچائی جاتی جن کے بچے عید کے دن بھوک سے بلبلاتے ہوئے بریانی کی فرمائش کررہے تھے اور ماں سوکھی روٹی کا ٹکڑا یہ کہہ کر کھلا رہی تھی ''بیٹا! صبر کرو یہ دن بھی گزر جائیں گے۔'' کاش! ان بیواؤں تک پیسوں کی رسائی ہوجاتی جن کا کوئی پرسانِ حال نہیں تھا۔ کاش! ان یتیم بچوں تک ان روپیوں کو پہنچا دیا جاتا جن کے دل سے بار بار یہی ہوک اُٹھ رہی تھی ''کاش! ماں تم زندہ ہوتی تو بے سروسامانی کا عالم نہ ہوتا''۔ کاش! ان روپیوں کو کسی مذہبی، طبی، فلاحی اور سماجی کاموں ہی میں صرف کردیا جاتا۔ مگر افسوس صد افسوس! جھوٹی شان وشوکت اور دِکھاوے کی خاطر خطیر رقم بے مقصد اور فضول کاموں میں صرف کی گئی۔ یہ تو بینر کے اخراجات پر ایک سرسری جائزہ پیش کیا گیا ہے، اخبارات میں شائع ہونے والے مبارکبادی کے اشتہارات کے اخراجات بھی اس میں شامل کرلئے جائیں تو یہ رقم بیس لاکھ سے تجاوز کرجاتی ہے۔ یاد رہے اللہ پاک نے قرآن کریم میں فرمایا: ''بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔''

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں کسی نے دریافت کیا کہ فضول خرچی کسے کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا جو چیز بھی خدا کے لیے اور اچھی نیت سے نہ دی جائے وہ اسراف ہے۔ ایک معمولی سا سکّہ بھی اگر اچھی نیت سے نہ دیا جائے تو وہ اسراف ہے اور رضائے مولیٰ کی خاطر ساری دنیا بھی دے دی جائے تو وہ اسراف نہیں۔ فرمان رسالت ﷺ ہے: کھاؤ جو چاہو اور پہنو جو چاہو جبکہ دو چیزیں تم سے دور رہیں، فضول خرچی اور شیخی۔ (بخاری شریف) سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے کہ میں ایسے گھر والوں کو پسند نہیں کرتا جو کئی دنوں کا رزق ایک ہی دن میں خرچ کرڈالیں یعنی فضول خرچی کریں۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ بدن پر کپڑا پہننے میں فضول خرچی نہ کرو کیونکہ پیغمبر دوعالم ﷺ نے مردے کے بدن پر کفن کی زیادتی سے منع فرمایا ہے۔ قارئین کرام! صرف بینر ہی نہیں بلکہ لاکھوں روپیہ بے جا سیر وتفریح میں، کروڑوں روپیہ فلم بینی کی نذر اور دیگر خرافات میں خرچ سے احتراز کرنا ازحد ضروری ہے۔ ہماری گزارش ہے کہ شہر سے کچھ ایسے نوجوان کھڑے ہوں جو اس بدعت کا خاتمہ کریں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں۔

قارئین کرام! ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زندگی میں میانہ روی اختیار کریں تاکہ اسراف کی وعیدوں سے محفوظ رہیں۔

☆☆☆

خطوط وتاثرات

قارئین کرام

مکتوب حضرت سید مہدی میاں اجمیر شریف

عزیز القدر مولانا فیضان المصطفٰی قادری زید مجدہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کچھ عرصے سے پیغام شریعت کا سلسلہ جاری تھا-اورانشاء اللہ تعالی جاری رہے گا-پہلی بار میرے ہاتھوں میں جب یہ رسالہ آیا اور میں نے اس کا مطالعہ کیا، رسالہ کو خوبصورت مضامین اور معلومات کا ایک ذخیرہ پایا-قابل مبارکباد ہیں آپ اور آپ کے جملہ رفقاء کار کہ ''پیغام شریعت'' کی شکل میں ایک مذہبی ودینی رسالہ جاری کر کے عوام وخواص کو ایک عظیم علمی تحفہ عنایت کیا-اللہ کریم پیارے حبیب پاک ﷺ کے تصدق اور بطفیل معین بے کساں ،معین دین حضور غریب نواز رضی اللہ عنہ اس رسالے کے ذریعے دور حاضر کے پیچیدہ مسائل کو حل فرمائے اور رسالہ کو دینی معلومات کا اہم ذریعہ بنادے-مولیٰ کریم اس رسالے کو مشربی تنگ نظری اور نظر بد سے محفوظ ومامون رکھے-خداوندا! آپ کے اور آپ کے مخلصین کے عزائم میں کامیابی عطا فرمائے-اوراحقاق حق وابطال باطل کے ذریعہ دین وسنیت کا ایک بے مثال کام لے-آمین

فقیر چشتی بارگاہ عطاء رسول ہندالولی حضور غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان میں اس کی کامیابی کیلئے دعا کرتا ہے۔

۲۵/شعبان المعظم ۱۴۳۷ھ-مطابق ۳/ جون ۲۰۱۶ء

مکتوب حضرت مولانا صوفی ظہیر عالم قادری چشتی

مکرمی علامہ فیضان المصطفٰی قادری

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی مولانا قاسم مصباحی کے ذریعہ دستیاب ہوا، دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی کیونکہ اردو کی دنیا ئے گلستاں میں ایک اور نئے چمن کا اضافہ ہوا ہے۔اس لیے اس کو قائم ودائم رکھنے کے لیے خانقاہ راہ سلوک سے منسلک تمام حضرات اہل سنت و جماعت کا ترجمان ماہنامہ پیغام شریعت دہلی کے ساتھ ہیں۔اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس چمن کو ہمیشہ سرسبز وشاداب رکھے۔آمین۔ بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم

فقیر: محمد ظہیر عالم قادری چشتی

بانی خانقاہ راہ سلوک والجامعۃ المکیہ چاند پور، نزد بھوجپور، مرادآباد

مکتوب مولانا محمد فضل الرحمٰن امجدی

مکرمی ومحترمی حضرت مولانا فیضان المصطفٰی صاحب قادری

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ اتفاقاً پیغام شریعت آفس میں جانے کا اتفاق ہوا ، ماہنامہ کے شمارے دیکھنے کو ملا سرسری طور پر دیکھا ، پڑھا، دل باغ باغ ہوگیا، اداریہ، فقہی بحث ومباحثہ اسلامی معلومات پر مشتمل تمام مضامین خوب سے خوب تر لگا۔اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گوہوں کہ ماہنامہ کو دن دونی رات چوگونی ترقی عطا فرمائے اور حاسدین کے حسد سے بچائے ، آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

محمد فضل الرحمٰن امجدی

جنرل سکریٹری نیشنل اسلامک اکیڈمی، نچلول بازار، مہراج گنج۔

مکتوب محمد عالم گیر نظامی

مکرم محترم مدیر اعلیٰ حضرت علامہ مولانا فیضان المصطفٰی قادری

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خیریت ہے اور خیرت کے خواہاں ہیں۔

رسالہ پیغام شریعت شروع کے یعنی اپریل، مئی، جون تین مہینوں کے دستیاب ہوئے سرسری نظر رسالے پر ڈالا مضامین کافی پسند آئے خاص طور سے اداریہ واقعہ معرج اور سائنس اور وعقل کی روشنی میں کافی دلچسپ اور پسند آیا۔ بقیہ تمام مضامین وقت اور حالات کے لحاظ سے جامع اور مانع ہیں۔

مدرس مدرسہ عربیہ اہل سنت عزیز العلوم بقیہ تاثر صفحہ 49 پر

R.N.I. No. DELURD/2015/65657
Publishing Date:20
Advance Month

Postal Registration DL(DG-11) 8085/2016-18
Total 56 Pages with Title Cover, Weight 95 grams
Posting Date: 21&22

Paigam e Shariat Monthly

Vol: 01 Issue:10 JULY-2016

حضرت سید محمد مہدی میاں چشتی درگاہ شریف اجمیر معلی

پہلی بار میرے ہاتھوں میں جب یہ رسالہ آیا اور میں نے اس کا مطالعہ کیا، رسالہ کو خوبصورت مضامین اور معلومات کا ایک ذخیرہ پایا- قابل مبارکباد ہیں جملہ رفقاء کار کہ ”پیغام شریعت“ کی شکل میں ایک مذہبی و دینی رسالہ جاری کر کے عوام و خواص کو ایک عظیم علمی تحفہ عنایت کیا- اللہ کریم پیارے حبیب پاک ﷺ کے تصدق اور بطفیل معین بے کساں، معین دین حضور غریب نواز رضی اللہ عنہ اس رسالے کے ذریعے دور حاضر کے پیچیدہ مسائل کو حل فرمائے۔ مولیٰ کریم اس رسالے کو مشربی تنگ نظری اور نظر بد سے محفوظ و مامون رکھے۔

حضرت مولانا صوفی محمد ظہیر عالم قادری چشتی مرادآباد

اردو کی دنیا ئے گلستاں میں ایک اور نئے چمن کا اضافہ ہوا ہے۔ اس لیے اس کو قائم و دائم رکھنے کے لیے خانقاہ راہ سلوک سے منسلک تمام حضرات اہل سنت و جماعت کا ترجمان ماہنامہ پیغام شریعت دہلی کے ساتھ ہیں۔

ڈاکٹر ابرار قادری یونانی میڈیکل کالج رائے پور

سارے مضامین بہت ہی مفید، قابل ستائش و لائق تحسین ہے۔ ان مضامین سے قارئین حضرات بہت کچھ استفادہ کر سکتے ہیں۔ ٹائٹل پیج بھی دیدہ زیب ہے۔ امید ہے کہ مستقبل میں مزید ملی و ملکی مسائل پر خاص مضمون اس جریدہ میں دیکھنے کو ملے گا۔

Owner, Publisher & Printer
Mohammad Qasim

Chief Editor
Faizanul Mustafa Qadri

Printed at **M/s Ala Printing Press**
3636 Katra Dina Baig, Lal Kuan, Delhi-110006
Published from H.No.422, 2nd Floor, Gali Sarotey wali, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-110006